وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے

جلد 8	شمارہ 03	جمادی الاوّل 1435ھ	مارچ 2014ء

ISSN 2305-6231

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

مدیر معاون ونگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

حافظ مختار احمد گوندل

تزئین وگرافکس: سعد حسن خان

پروفیسر خلیل الرحمٰن

قانونی مشاورت:

محمد فیاض عادل فاروقی

محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اختر ایڈووکیٹ

ترسیل زر بنام: انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زرتعاون سترہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون: اندورنِ ملک 400 روپے، قیمت فی شمارہ 40 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس فوارچوک جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	سورۃ النازعات	3
2	بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات		5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	درسِ قرآن مجید کی تیاری کیسے کریں؟		12
5	ہجرت کی اہمیت.....	مسٹر کونسٹن ویرژیل	20
6	مغربی استعماری صلیبی قوتیں اور.....	محمد منظور انور	39
7	عالمی قوتوں کے نرغے میں جکڑا پاکستان.....!	مولانا شبیر احمد عثمانی	42
8	یورپ پر اسلام کے احسانات (سلسلہ وار)	انجینئر مختار فاروقی	44
9	حالیہ مغربی تہذیب اور انگریزی زبان	انجینئر مختار فاروقی	54
10	مکتبہ قرآن اکیڈمی کی مطبوعات		61

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

﴿سورۃ النازعات 79، آیات 46 اور 2 رکوع﴾

سورۃ النازعات کی ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ساری کائنات کا انتظام کرنے والے فرشتوں کی قسم کھا کر یہ یقین دلایا گیا ہے کہ اللہ کا رسول ﷺ جس دنیا یا آخرت کے عذاب سے خبردار کر رہا ہے اس کا واقع ہونا بعید از امکان نہیں ہے۔ جس اللہ کے حکم سے کائنات کا یہ سارا نظام چل رہا ہے اُس کی صرف ایک ڈانٹ سے یہ نظام درہم برہم بھی ہوسکتا ہے اور ایک دوسرا نظام قائم بھی ہوسکتا ہے۔ جب ایسا ہوگا تو جھٹلانے والے خوف سے کانپتے اور جھکی نگاہوں سے وہ سب ہوتا دیکھ رہے ہوں گے جس کو وہ ناممکن سمجھتے تھے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ مختصراً بیان کر کے جھٹلانے والوں کو خبردار کیا گیا ہے کہ اللہ کے رسول کو جھٹلانے اور چالبازیوں سے ان کو شکست دینے کی کوشش کا جو انجام فرعون کا ہوا اس سے عبرت حاصل کرو؛ ورنہ.....!!!۔ پھر قیامت کے امکان پر دلیل ہے کہ یہ آسمان جسے اللہ نے مضبوط، بلند اور بہترین بنایا، اس پر اندھیری رات کو ڈھانپا اور اس کے دن کو روشن کیا اور یہ زمین جس کو اُس نے پھیلایا، اس سے تمہارے اور حیوانوں کے لیے پانی اور چارا نکالا، اس میں پہاڑوں کو قائم کیا، کیا جو یہ سب کچھ کرسکتا ہے اُس کے لیے تمھیں دوبارہ زندہ کرنا کوئی زیادہ مشکل کام ہے؟۔ پھر بیان ہے کہ اُس دن انسان کی ابدی زندگی کا فیصلہ کس بنیاد پر ہوگا۔ پھر رسول اکرم ﷺ کو تسلی دی ہے کہ کافر لوگ جو یہ سوال کرتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی، اس کا جواب آپ کے ذمہ نہیں ہے، آپ کا کام صرف خبردار کرنا ہے، قیامت کا علم صرف آپ (ﷺ) کے رب کو ہے۔ جب یہ اس دن کو دیکھیں گے تو ایسا لگے گا جیسے دنیا میں ایک شام یا ایک صبح ہی ٹھہرے تھے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَ النّٰزِعٰتِ غَرْقًا O وَّ النّٰشِطٰتِ نَشْطًا O

گواہ ہیں وہ (فرشتے) جو (اللہ تعالیٰ کے حکم سے کائنات کے مختلف کاموں پر مامور ہیں)

کھینچ لیتے ہیں انسانی جان آسمانوں سے زمین پر لپک کر اور (وہ) جو آسانی سے کھول دیتے ہیں

وَّ السّٰبِحٰتِ سَبْحًا O فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا O

اور (وہ) جو (ہر وقت) تیرتے پھرتے ہیں (اور) پھر تیزی سے آگے بڑھتے ہیں

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا O

پس یہی (فرشتے) ہیں جو (کائنات میں) مختلف کاموں کی تدبیر کرتے ہیں

یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ O تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ O

(اتنا محکم انتظام بتا رہا ہے کہ وہ دن آ کر رہے گا) جس دن زمین کو بھونچال آئے گا

پھر اس کے پیچھے اور (بھونچال) آئے گا

قُلُوْبٌ یَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ O اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ O

اس دن (لوگوں کے) دل خائف ہو رہے ہوں گے (اور) آنکھیں جھکی ہوئی

یَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِی الْحَافِرَةِ O

(کافر) کہتے ہیں کیا ہم اُلٹے پاؤں پھر لوٹیں گے

ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً O

بھلا جب ہم کھوکھلی ہڈیاں ہو جائیں گے (تو پھر زندہ کیے جائیں گے)

قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ O

کہتے ہیں کہ یہ لوٹنا تو بڑا ہی خسارے کا ہے

فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ O فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ O

وہ تو صرف ایک ڈانٹ ہوگی۔ اسی وقت وہ (سب) میدان (حشر) میں آ جمع ہوں گے

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْم

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

أَثْقَلُ شَیْءٍ فِیْ مِیزَانِ الْمُؤْمِنِ خُلُقٌ حَسَنٌ
اِنَّ اللّٰہ یُبْغِضُ الفاحِشَ الْمُتَفَحِّشَ الْبَذِیَّ

''مؤمن کے ترازو میں سب سے بھاری چیز حسن اخلاق ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اُس شخص کو ناپسند کرتا ہے جو بے حیا، بے شرم اور زبان دراز و بخیل ہو'' (بیہقی، عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ)

اِثْنَانِ لَا تُجَاوِزُ صَلَاتُھُمَا رُءُ وْسَھُمَا:
عَبْدٌ آبِقٌ مِنْ مَوالِیْہِ حَتّٰی یَرْجِعَ
وَ امْرَأَۃٌ عَصَتْ زَوْجَھا حَتّٰی تَرجِعَ

''دو شخصوں کی نماز ان کے سروں سے اُوپر نہیں جاتی (یعنی قبول نہیں ہوتی) ایک وہ غلام جو اپنے مالک سے بھاگ جائے یہاں تک کہ لوٹ آئے اور دوسرے وہ عورت جو اپنے شوہر کی (جائز) بات نہ مانے یہاں تک کہ (نافرمانی سے) باز آجائے۔ (مستدرک، عن ابن عمر رضی اللہ عنہما)

الجَامِعُ الصَّغِیْر فی احادیث البشیر والنذیر، للامام جلال الدین السیوطی رحمہ اللّٰہ

حرفِ آرزو

انجینئر مختار فاروقی

1 مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ کی طرف سے شائع کردہ کتاب 'صہیونیت ـــ قرآن مجید کے آئینے میں' پر قارئین کے تأثرات اور کئی تبصرے سامنے آئے ہیں جن میں سے اکثر حکمت بالغہ میں شائع ہو چکے ہیں۔ اسی کتاب کے بارے میں ایک معزز دوست نے یہ سوال اُٹھایا ہے کہ ہم 'یہودیوں' کو بلاوجہ موردِ الزام ٹھہراتے ہیں جبکہ قرآن مجید میں سورۃ البقرہ میں مذکور بنی اسرائیل کی خرابیاں مجموعی طور پر ہمارے اندر بھی گھس آئی ہیں لہٰذا ہمیں دوسروں کو موردِ الزام ٹھہرانے کی بجائے خود اپنے حالات کو ٹھیک کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

سوال نہایت اہم ہے اور پہلے تأثر (FIRST IMPRESSION) میں آدمی لاجواب ہوتا محسوس ہوتا ہے ـــــ لہٰذا ضروری ہے کہ اس صورتِ حال (PARADIGM) پر زیادہ گہرائی میں غور و فکر کیا جائے۔

2 اسی طرزِ استدلال کا ایک دوسرا رُخ یہ ہے کہ کئی صدیاں قبل اہل کتاب کے (یہود) نے جو جرائم کیے تھے وہ جرائم ان لوگوں کے مرکھپ جانے کے ساتھ ہی ختم ہو گئے ہر شخص کو اپنی قبر میں جانا ہے۔ صدیوں قبل کے معاندانہ طرزِ عمل اور زیادتیوں پر (اگر وہ فی الواقع گناہ کے عمل تھے بھی) عصر حاضر کے اہل کتاب یا یہود یعنی صہیونیت یا ZIONS کو موردِ الزام کیسے اور کیوں کر ٹھہرایا جا سکتا ہے؟ ایسا کرنا بظاہر بے محل نظر آتا ہے۔

3 ہمارے نزدیک اس طرزِ استدلال اور اندازِ فکر کی وجہ سیرت النبی ﷺ کا سطحی مطالعہ اور کئی تاریخی حقائق کو نظر انداز کرنا ہے۔ اس انداز سے غور و فکر کرنے والے حضرات اگر آپ ﷺ کی سیرت کا ذرا سنجیدگی اور عملی پہلوؤں کے لحاظ سے مطالعہ فرمائیں تو وہ بھی یقیناً انہیں نتائج تک پہنچیں گے جو ہم یہاں بیان کر رہے ہیں۔

4 یہ مشاہدہ بڑا حقیقت پسندانہ ہے جس کی تائید کے لئے کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں کہ آج ہم مسلمان جس دین سے اپنی وابستگی کے دعویدار ہیں اور اسی دعویٰ کی بنیاد پر ہم حیاتِ اُخروی میں کامیابی اور جنت میں 'داخلہ' کے بارے میں صرف 'پُراُمید' ہی نہیں یقین کامل رکھتے ہیں۔ اس دین کے تقاضوں پر ہماری اکثریت عمل پیرا نہیں ہے۔ نہ صرف یہ کہ ان تقاضوں کا صحیح فہم و ادراک نہیں رکھتے بلکہ ان سے نابلد بھی ہیں۔ ان حالات میں آج کے مسلمانوں کی کیفیات، طرزِ عمل، آرزوئیں اور اُمنگیں دیکھیں تو ہو بہو 'یہود' کے طرزِ عمل سے مشابہ ہیں جس کا تذکرہ سورۃ البقرہ کے ابتدائی حصہ میں دس رکوعوں پر پھیلا ہوا موجود ہے۔

5 اُمت مسلمہ کی اس بے عملی پر جتنے مرثیے کہے جائیں وہ کم ہیں اور مجموعی طور پر یہ اُمت اپنے اس طرزِ عمل کی سزا بھی بھگت رہی ہے اور سیاسی آزادی، معاشی و اقتصادی وسائل اور ذہنی صلاحیتوں کے باوصف ہم دوسروں کے غلام اور دست نگر ہیں۔ ان حالات کا مطالعہ کر کے اس کا مداوا کرنا اور اُمت مسلمہ کی بہبود کے لئے 'منصوبہ سازی' کرنا اور اس میں اپنے جان و مال کو کھپا دینا یہ ہمارا دینی فریضہ ہے اور 'خود جاگو' اور 'دوسروں کو جگاؤ' پر عمل پیرا ہونا ہی اصلاحِ احوال کا ایک قابل عمل راستہ ہے اور الحمدللہ اُمت مسلمہ میں ہر طرف بہت سے لوگ اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی سعی کر رہے ہیں اور اُمت مسلمہ کے ایک قابل ذکر حصے کی اصلاح کے بغیر مسلمانوں کا موجودہ زوال اور پستی سے نکلنا ممکن نہیں ہے اور نہ اس طرح حالات میں کوئی تبدیلی آسکتی ہے۔ اس بے عملی اور دین سے دوری کے کئی اسباب ہیں جن میں سے بعض داخلی ہیں اور بعض خارجی، اس ضمن میں مسلسل غور و فکر کی ضرورت ہے کہ ہماری کوششیں صحیح وقت اور برمحل طریقے پر ہوں تاکہ جلد از جلد منزل تک پہنچ سکیں۔

6 اُمت مسلمہ کے موجودہ زوال سے دشمن کیسے فائدہ اُٹھا رہا ہے اور اس زوال کو مزید

طول دے کر وہ اپنے مقاصد حاصل کر رہا ہے اس ناپسندیدہ عمل میں بعض مسلمان قائدین اور جماعتیں بھی دانستہ یا غیر دانستہ طور پر دشمن کے مقاصد کو فائدہ پہنچا رہی ہیں۔ یہ اپنی جگہ ایک المیہ ہے۔ اس کے باوجود کوئی دلیل ہمیں اپنی دینی ذمہ داریوں پر اصل توجہ مرکوز کرنے اور ان کو ادا کرنے کی فکر کرنے سے استثنا نہیں دلا سکتی۔

7 یہاں تک کا تجزیہ ہمارے سوال کرنے والے ساتھی کی تائید کرتا ہے ـــــ تاہم ذرا ٹھنڈے دل سے اس سے ایک قدم آگے بھی دیکھنے کی ضرورت ہے۔ آیئے تھوڑی دیر کے لئے ہم اپنے آپ کو عہد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں لے چلتے ہیں۔

ہجرتِ مدینہ (ستمبر 623ء) کے بعد مسلمانوں کا مرکز مدینہ منورہ قرار پایا اور قرب و جوار کے تمام مسلمان یہاں جمع ہونے لگے۔ آپ ﷺ نے مدینے میں موجود تین یہودی قبائل سے میثاقِ مدینہ کے نام سے ایک 'پرامن بقائے باہمی' کا معاہدہ کر لیا جس سے اُمید ہوگئی کہ مسلمان مدینے میں داخلی طور پر پرسکون رہ سکیں گے اور خطرہ ہوگا تو اہل مکہ سے خارجی سطح پر ہی ہوگا۔

اس دور میں جبکہ حضرت محمد ﷺ موجود تھے اور اُمت مسلمہ کا اوّلین اور اعلیٰ طبقہ میدانِ عمل میں تھا۔ انفرادی اور اجتماعی سطح پر دین پر عمل میں (ماسوائے ایک قلیل گروہ منافقین کے) ہر مسلمان کی زندگی نمونہ اور مشعل راہ تھی۔ یہ جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے جذبہ ایمان اور جوشِ جہاد کے اعتبار سے بھی بعد کے مسلمانوں سے بدرجہا بہتر تھی۔

تاہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باعمل اور سرگرم جہاد جماعت کے درمیان حضرت محمد ﷺ کی موجودگی میں ـــــ یہی اہل کتاب کے تین یہودی قبائل ابتدا ہی سے جنگ بدر، جنگ اُحد اور جنگ خندق میں مسلمانوں کو نیچا دکھانے اور زیر کرنے کے درپے نظر آتے ہیں۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ مسلمانوں کے حق پر ہونے، قرآن مجید کا اللہ تعالیٰ کی کتاب ہونے اور حضرت محمد ﷺ کے نبی و رسول ہونے میں انہیں کوئی غلط فہمی تھی۔ قرآن مجید فرماتا ہے کہ یہ یہودی قبائل حضرت محمد ﷺ کو ایسے پہچانتے تھے جیسے لوگ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

غور کرنے کی ضرورت ہے کہ آخر کیا وجہ ہے کہ یہود نہ صرف ایمان نہیں لائے بلکہ مسلمانوں کے دشمن بن گئے اور پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کے خلاف سازشوں میں شریک رہے۔

بدر، اُحد اور خندق کی جنگوں میں دشمنوں کو اُبھار کر لانے والے بنے ایک ایک کر کے یکے بعد دیگرے تینوں قبیلے میثاقِ مدینہ سے بدعہدی کی بنا پر سزا کے مستحق ٹھہرے۔ مگر کسی یہودی 'مردِ دانا' کو یہ توفیق نہ ہوئی کہ وہ اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے معافی کی درخواست کرتا اور رحمت للعالمین سے نرمی کا طلب گار ہوتا۔

نہ صرف یہ بلکہ ـــــ ان یہود نے آپ ﷺ کے قتل کے دو منصوبے بنائے (جن پر عمل درآمد بھی کر دیا) جو ناکام رہے اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنے ہی 'ناکردہ' گناہوں کی طرح منصوبے ہوں گے جو ابتدائی مراحل میں ہی رہ گئے اور عمل درآمد نہ ہو سکا۔

---

8 یہ بات صحیح ہے کہ آج اُمت مسلمہ کی حالت قابل رحم ہے اور بدعملی کی وجہ سے دشمن ہم سے فائدہ اُٹھا رہا ہے جس کا موقع ہم خود فراہم کر رہے ہیں۔ تاہم اسلام کے صدرِ اوّل اور 'خیر القرون' یعنی عہد نبوی میں تو مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی پوری تائید حاصل تھی اور مسلمان انفرادی اور اجتماعی سطح پر عمل کے اعلیٰ ترین درجے پر کھڑے آسمانِ ہدایت کو چھو رہے تھے۔ جبکہ اس حالت میں 'یہود' مسلمانوں کے خلاف دامے، درمے، سخنے، دماغے اور قلبے ہر طرح سے سرگرم عمل تھے۔ سب یہود مدینے سے جلاوطن ہوئے پھر خیبر سے بھی نکال دیے گئے آخر کیوں؟

تاریخ کے صفحات میں اس کے لئے ایک کمزور سی دلیل دی گئی ہے کہ یہود آپ ﷺ پر اس لئے ایمان نہ لائے کہ آپ ان کی 'نسل' یعنی بنی اسرائیل میں سے نہیں تھے۔ یہ دلیل کمزور اس لئے ہے کہ نبوت و رسالت کو تسلیم کرنے کے لئے آلِ ابراہیم ہونا کافی تھا جس کو یہود بخوبی جانتے تھے وہ مدینے میں آباد اسی وجہ سے تھے کہ آخری پیغمبر یہاں تشریف لائیں گے۔

قرآن مجید نے اس دلیل کو بھی کاٹ کر رکھ دیا ہے کہ کتنے ہی پیغمبر بشمول حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو بنی اسرائیل میں سے ہی تھے اور یہود ان کو بچپن سے ہی پہچانتے تھے مگر ان پر ایمان کیوں نہ لائے؟ کوئی عقلی، نقلی اور اخلاقی رکاوٹ نہیں تھی ـــــ مگر نہ صرف یہ کہ ایمان نہیں لائے بلکہ اپنے تئیں منصوبہ بندی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو 'تختہ دار' تک پہنچا دیا اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور مشیت سے ان کو بچا لیا وہ الگ بات ہے۔ اس طرح یہ دلیل کہ آپ ﷺ بنی اسرائیل

میں سے نہ تھے اس لئے یہود ایمان نہیں لائے۔ نہ صرف کمزور بلکہ بے بنیاد اور بلا جواز ہے۔

9 ہمارے نزدیک اہل کتاب کے ایک بڑے حصے یہود کے بارے میں قرآن فرماتا ہے کہ ان کی غالب اکثریت خدا بیزار، وحی دشمن اور اخلاق دشمن تھی اور ابلیس کے آلہ کار اور پیروکار بن گئے تھے۔ اسی لئے وہ ابلیس کی طرح (جو حضرت آدم علیہ السلام کی عظمت کو پہچاننے کے باوجود تابع نہ ہوا اور سجدہ ریز نہ ہوا) حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کو تسلیم کر کے مسلمان نہ ہو سکے۔ اس کے برعکس ابلیس کے اولادِ آدم کو گمراہ کرنے کے چیلنج کے کی تکمیل کے لیے عمر دراز کی طلب کی طرح یہود حضرت محمد ﷺ کی حد درجہ مخالفت اور قتل کے منصوبوں کے ساتھ آج تک مسلمانوں کو ستانے اور دین سے دور کرنے کی سعی نامشکور میں لگے ہوئے ہیں۔

جس دلیل اور جواز کے 'فتوے' کے تحت یہ یہودی طبقہ خیر القرون میں پیغمبر اسلام ﷺ کی موجودگی میں اسلام دشمنی میں جلا جا رہا تھا اسی طرح ـــــ اسی ابلیسی جذبے کے تحت وہ آج کے مسلمانوں سے بھی مدینے سے جلاوطنی کا انتقام لینے میں سرگرم عمل ہے اور مسلمانوں کے خلاف گھیرا تنگ کر رہا ہے۔ خیر القرون میں بھی (سورۂ صف کے مطابق) عیسائی اور مشرکین ـــــ یہود کے ساتھ تھے اور آج اکیسویں صدی کے منظر نامے میں بھی عالم عیسائیت اور سب سے بڑا مشرک آبادی والا ملک بھارت یہود کے ساتھ ہے اور وہی معرکہ خیر و شر ہے اور چراغِ مصطفوی ﷺ سے شرارِ بولہبی کی سرد جنگ جاری ہے۔

ستیزۂ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی ﷺ سے شرار بولہبی

قارئین کرام یہی وجہ ہے کہ ہمارے نزدیک ہم اپنے داخلی مسائل کے علی الرغم اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکتے ہیں اگر ہمارا ازلی دشمن آزادی کے بلند بانگ دعووں کے نتیجے میں (اپنے ساتھیوں سمیت) دنیا کے عام بقائے باہمی کے اُصولوں کے تحت ہمیں زندہ رہنے کا موقع دے اور ہمیں ہمارے عقائد و نظریات کے مطابق ملک چلانے کی آزادی دے۔

---

10 اُوپر درج تفصیل کے مابین السطور اس بات کا جواب بھی موجود ہے کہ اسلام کے

صدرِاوّل میں جرائم تو کئے تھے یہود کے ایک طبقے نے ـــــ مگر آج کے یہود ان جرائم کے ذمہ دار کیوں ٹھہرائے جاتے ہیں۔

بنی اسرائیل کے اس بگڑے ہوئے طبقے نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک بھی جرائم کئے تھے بلکہ قتل انبیاء علیہم السلام کے جرم کے مرتکب تھے۔ تاہم ان کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر عام معافی کے ساتھ ایمان لانے کی دعوت دی گئی تھی (قرآنِ مجید 17-8) جو اُنہوں نے اپنے ابلیسی وصہیونی ذہن کی وجہ سے قبول نہ کی اور مقابلے پر اُتر آئے اور ذلیل ورسوا ہوکر جلاوطن ہوئے ـــــ بعینہٖ اسی طرح اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ وہ آج کے یہود کو معافی دے سکتا ہے اگر وہ اپنے آباء واجداد کے سنگین جرائم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے جرائم سے توبہ کرلیں اور اپنے اسلاف سے قطع تعلق کرلیں۔ بصورتِ دیگر اگر وہ اپنے اسلاف کی مذمت نہ کریں اور انہی کے نقش قدم پر اسلام، مسلمانوں اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہر اپنا سابقہ طرزِ عمل اختیار کئے رہیں تو قرنِ اولیٰ کے یہودیوں کی طرح آج کے یہودی بھی مجرم ہیں اور وہی سزا پائیں گے جیسے مسلمانوں کے ہاتھوں ان کے آباء واجداد کو ملی تھی۔ واللہ اعلم

صہیونیت کا تذکرہ ـــــ درحقیقت مسلمانوں کو دشمنوں کے منصوبوں اور تیاریوں سے آگاہ کرنے کی نیت سے کیا جاتا ہے ورنہ یہود کی منصوبہ بندی کا تذکرہ کرکے اپنی اصلاح سے غافل رہنا کوئی عقلمندی نہیں ہے۔ اُمت مسلمہ کی اِصلاح، رجوع اِلی القرآن، دعوتِ جہاد اور اقامت دین کا کام پورے زوروشور سے جاری رکھنا ضروری ہے۔

ـــــ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہ ـــــ

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں' لاالٰہ اِلا اللہ

درسِ قرآن کی تیاری کیسے کریں؟

انجینئر مختار فاروقی

تمہید

گزشتہ چار صدیوں سے اُمت مسلمہ ایک خاص قسم کی 'شکست وریخت' کی کیفیات و تجربات سے گزر رہی ہے۔ پہلی ہجری سے لے کر 1000ھ تک اُمت مسلمہ کو جو عروج حاصل ہوا تھا اور جو صدیوں برقرار رہا جبکہ باقی دنیا پر مادّی ترقی کے باوجود جہالت کا دور دورہ تھا یہ عروج مسلمانوں کے افضل ترین حصہ یعنی عربوں کے ذریعے حاصل ہوا اور انہی میں قائم رہا اور 'آخَرِیْنَ مِنْھُمْ' کے درجے میں غیر عرب اقوام کے مسلمان مؤید ومعاون کے درجے میں رہے۔ ایک ہزار سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُمت مسلمہ کے ایک دوسرے عروج کے لئے غیر عرب اقوام میں سے جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو چنا اور جو علاقے پہلے عروج کے دوران غیر نمایاں تھے وہ نمایاں ہوئے اور مجدّدین اُمت کا سلسلہ بھی یہیں جاری ہوا۔ یہ اعزاز حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نام کا حصہ بن گیا۔ مجدد الف ثانی کے معنی ہیں مسلمانوں کی تاریخ کے دوسرے ہزار یعنی 1001ھ کے بعد کے لئے مجدّد۔ شیخ مجدّد کے بعد شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ، تحریک شہیدین کے بانیان، شیخ الہند حضرت محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ، علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابرین کی علمی وملّی خدمات کے نتیجے میں یہاں کے مسلمانوں کے دل میں اسلامی جذبے کی آبیاری ہوئی اور یہ حقیقت ہے کہ دینی اعتبار سے اتنی بھاری بھرکم شخصیات عالمی سطح پر مسلمانوں کے کسی اور مرکز اور علاقے میں پیدا نہیں ہوئیں۔

ان مساعی کا حاصل یہ ہے کہ اگر گزشتہ چار صدیوں سے ایک طرف مسلمانوں کے سیاسی زوال میں مزید اضافہ ہوا ہے تو دوسری طرف احیائی عمل اور احیائی کوششوں میں بھی مسلسل اضافہ ہوا ہے یعنی اُمت مسلمہ کو قرآن و حدیث اور دینی فکر سے جوڑنے کا کام پوری آب و تاب سے جاری بھی رہا اور بڑھتا بھی گیا۔ مسلمانوں میں حکومت چھن جانے سے احساسِ محرومی بھی بڑھا۔ خلافت کے خاتمے سے صف ماتم بھی بچھ گئی مگر ــــــ

ع ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی' کے مصداق قرآن کی خدمت اور مسلمانوں میں احیائی کام کے لئے دورِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی طرح قرآنِ مجید کی طرف 'رجوع' یعنی 'رجوع اِلی القرآن' کا کام بڑی تیزی اور وسعت کے ساتھ ہوا ہے۔ گزشتہ صدی کے آغاز میں جب مسلمانوں کو سیاسی اعتبار سے تاریخ کے سب سے بُرے دن دیکھنے پڑے کہ دنیا میں کوئی مسلم آبادی کا علاقہ آزاد نہ رہا (سوائے ملک ترکی کے جہاں مصطفےٰ اتاترک کی سیکولر اور دین دشمن حکومت قائم تھی اور مسلمان ہوتے ہوئے نماز قرآن اور شعائر اسلامی کے اظہار پر پابندی تھی) عین اسی وقت رجوع اِلی القرآن کا بہت سا کام ہو رہا تھا اور اُمت مسلمہ کے دو عظیم 'رجال' حضرت محمود حسن شیخ الہند اور حضرت علامہ اقبال (ایک قدیم سکہ بند علماء کے طبقہ میں 'مردِ مجاہد' اور دوسرے جدید تعلیم یافتہ مغربی علوم سے باخبر شخص 'مردِ راز داں') اس بات پر متفق تھے کہ مسلمانوں کے موجود زوال اور بے وقعتی کا اصل سبب قرآن مجید سے بے اعتنائی اور چھوڑ دینا ہے۔ حضرت شیخ الہند نے 1916ء۔1920ء تک جزیرہ مالٹا (بحیرۂ روم) میں چار سالہ قید سے رہائی کے بعد جو خطبہ دارالعلوم دیوبند کے استقبالیہ میں دیا اس میں یہی کہا تھا قرآن سے دوری مسلمانوں کے موجودہ زوال کا اصل سبب ہے اور اس کا علاج سوائے اس کے کچھ نہیں کہ عوام کے لیے عوامی 'درسِ قرآن کی محافل سجائی جائیں اور عوام کو قرآن کے ترجمے کے پڑھانے کے لئے محافل منعقد کی جائیں اور اُنہوں نے اپنی باقی زندگی اسی کام کے لئے کھپا دینے کے عزم کا اظہار فرمایا۔ دوسری طرف علامہ اقبال نے بھی یہی فرمایا وہ جوابِ شکوہ میں 1913ء میں یہ کہہ چکے تھے کہ

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

اور اس کا علاج بھی سوائے اس کے کچھ نہیں تھا کہ دوبارہ قرآن پاک سے رشتہ جوڑا جائے اور علامہ اقبال کا پورا کلام 'قرآن مجید' کے افکار سے ہی ماخوذ ہے اور علامہ اقبال کے کلام کو جو عمومی اور عوامی پذیرائی ملی کہ مسلمانوں کے ہر طبقہ کا فرد علامہ اقبال کے کلام سے استنباط کرتا نظر آتا ہے کیا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ اُنہوں نے مسلمانوں کے دورِ زوال میں 'مرضِ زوال' کی صحیح تشخیص کر دی تھی اور ایک ماہر 'معالج' اور 'حکیم الامت' کی طرح صحیح علاج بھی بتا دیا تھا۔

؎ تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

؎ خوار از مہجوریٔ قرآں شدی
شکوہ سنج گردشِ دوراں شدی

''تم قرآن مجید کو چھوڑ دینے کی وجہ ذلیل و خوار ہوئے ہو اور حالات کے ناسازگار ہونے کی شکایت کرتے ہو''

؎ گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

''اگر تم مسلمان بن کر زندہ رہنا چاہتے ہو تو قرآن مجید کے بغیر ایسی زندگی ممکن نہیں ہے''

؎ اے چوں شبنم بر زمیں افگندہ
در بغل داری کتاب زندہ

''اے (مسلمان! تو کیوں) شبنم کی طرح زمین پر گرا ہوا ہے حالانکہ تیرے پاس (قرآن جیسی) زندہ کتاب موجود ہے''۔

رُجوع اِلی القرآن کا کام آگے بڑھ رہا ہے

الحمدللہ کہ 'آج' جدید تعلیم یافتہ حضرات جو سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں سے نکلتے ہیں وہ بھی 'رجوع الی القرآن' کے اس کام میں آگے بڑھ رہے ہیں اور مدارس سے فارغ التحصیل نوجوان میں بھی شیخ الہند کے دیے ہوئے سبق 'عوامی درسِ قرآن' میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ یہ کام

ایک مناسب حد تک انجام پا جانے سے ہی اُمت مسلمہ پر چھائے زوال اور محکومی کے منحوس سائے چھٹ سکتے ہیں اور ہم امریکی غلامی کے چنگل سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے بابرکت اور لازوال سایۂ عاطفت میں آ سکتے ہیں۔

؎ چمن کے مالی اگر بنا لیں موافق اپنا شعار اب بھی
چمن میں آ سکتی ہے پلٹ کر چمن سے روٹھی بہار اب بھی

قرآنِ مجید سے ہماری نئی نسل کی یہ دلچسپی دیکھ کر یہ اُمید اُبھرتی ہے اور اطمینان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس اُمت مسلمہ سے ابھی مایوسی نہیں ہوئی بلکہ ابھی اس اُمت کے 'بحر' میں بے شمار 'موتی اور مرجان' قسم کی شخصیات اُبھرنے کے امکانات موجود ہیں جو آگے بڑھ کر اُمت مسلمہ کی کشتی کو بے مقصدیت کے بھنور سے نکال کر اپنے مقصدِ وجود 'لِتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ' کے مقصدِ جلیلہ کے اور قریب کر دیں گے۔ وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

ان سطور کے ذریعے ہم ان 'نوجوان' اور 'نوخیز' ـــــ باہمت اور پرعزم ـــــ 'مستقبل کے معمارانِ قوم' جو قرآنِ مجید کے پڑھنے پڑھانے اور اس کو پھیلانے کے کام میں اپنے آپ کو ہمہ تن یا جز وقتی لگانے کا ارادہ رکھتے ہیں ـــــ کی آسانی کے لئے چند بنیادی باتیں تحریر کرنے کی جسارت کر رہے ہیں۔ اُمید ہے کہ اگر ان کو سامنے رکھ کر کام کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی مدد ضرور شاملِ حال رہے گی اور درس و تدریسِ قرآن کے کام میں 'مشن' کا احساس غالب رہے گا۔ وہ چند اہم اُمور یہ ہیں، جو ہمارے نزدیک تعداد میں 10 ہیں:

1. قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔
2. قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کا آخری کلام ہے اور اسکی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔
3. قرآنِ مجید فطرتِ انسانی کے اندر موجود داعیات، تلاشِ حق، نیکی اور بدی کی تمیز کے احساس کو اُبھارتا ہے۔
4. قرآنِ مجید انسان کے لئے ہدایت ہے اور وضاحت کرتا ہے کہ حقیقی انسان کون ہے؟
5. قرآنِ مجید ـــــ حضرت محمد ﷺ پر اُترا اور یہ آپ ﷺ کا زندہ معجزہ ہے۔
6. ایمان کائنات کی صحیح ترین تشریح کا نام ہے اور ایمان کے بغیر انسانی ذہن اندھیرے

میں رہتا ہے۔قرآنِ مجید ایسا ایمان پیدا کرنے کا سب سے بڑا اور مؤثر ذریعہ ہے۔

7. قرآنِ مجید ـــــ انسان کو ایک ذمہ دار اور جواب دہ مخلوق قرار دیتا ہے۔ (آخرت پر ایمان)

8. روحِ انسانی اور ـــــ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی (ملاقاتِ خداوندی)

9. قرآنِ مجید ذریعہ انقلاب ہے۔خلافت راشدہ کا مقام

10. اسلام کی نشاۃِ ثانیہ ـــ قربِ قیامت ـــ دجال کا فتنہ ـــ اور اسلام کا عالمی غلبہ ـــ یعنی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دوبارہ قیام ـــــ اور اس راستے کی رکاوٹیں دور کرنے کا نام جہاد ہے۔

1 قرآنِ مجید ـــ اللہ کا کلام

یہ کتاب جس کی درس و تدریس کے لئے یہ سطور تحریر کی جارہی ہیں۔یہ دیکھنے کو تو ایک کتاب ہے مگر مسلمانوں کے نزدیک یہ عام کتابوں کی طرح ایک کتاب نہیں ہے۔بلکہ یہ خالق ارض وسما کا کلام ہے۔

دنیا کی دوسری کتابیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان پر ان کے مصنف کا نام ہوتا ہے مگر اس پر کسی کا نام نہیں ہے۔یہ کتاب ہمیں سیّد الاوّلین والآخرین حضرت محمد ﷺ نے دی ہے مگر وہ اس کتاب کے مصنف ہونے کے دعویدار نہیں تھے۔اُنہوں نے فرمایا کہ یہ کتاب دراصل 'کلام اللہ' ہے جیسا کہ قرآنِ مجید میں سورۂ توبہ آیت نمبر 6 میں آیا ہے۔

اس قرآنِ مجید کو 'کلام اللہ' کہا گیا ہے تو اس سے اس کتاب کی دوسری شان بھی ظاہر ہوتی ہے۔عام کتابیں کسی خاص طبقے اور ذہنی سطح کے لوگوں کے لئے لکھی جاتی ہے سکول کے بچوں کیلئے، کالج کے طلباء کیلئے، ایم اے اور پی ایچ ڈی کے درجوں کے لئے کتب الگ ہیں۔مگر قرآنِ مجید سب کیلئے ہے۔پھر عام کتب میں کتاب کے شروع میں ہی فہرست مضامین ہوتی ہے پھر ابواب کی تقسیم اور عنوانات ہوتے ہیں ذیلی سرخیاں اور پیراگراف ہوتے ہیں جبکہ اس کتاب میں تقسیم اس طرح نہیں ہے بلکہ آیات ہیں اور آیات کا مجموعہ سورتیں ہیں۔سورتیں چھوٹی بھی ہیں جیسے سورۃ العصر وغیرہ جو 3 آیات پر مشتمل ہیں اور بڑی بھی ہیں جیسے سورۃ البقرہ جو 286 آیات پر مشتمل ہے۔

عام کتابوں کا انداز بیانیہ ہوتا ہے جبکہ قرآنِ مجید ـــــــ چونکہ 'کلام اللہ' ہے لہٰذا اس کا انداز ایک 'خطبہ' اور 'تقریر' کا سا ہے۔ جیسے ایک 'خطیب' خطبہ دے رہا ہو یا ایک سپہ سالار فوج سے خطاب کر رہا ہو۔ اسی وجہ سے قرآنِ مجید میں گفتگو اور خطاب کا رُخ بار بار تبدیل ہوتا ہے کبھی سامنے لوگوں سے اور کبھی غائب لوگوں سے خطاب، جنت کا ذکر، کبھی دوزخ کا ذکر، درمیان میں نصیحت آموز بیانات وغیرہ۔ 'خطبہ' کی یہی شان ہوتی ہے جبکہ کتاب میں ایسا نہیں ہوتا۔ قرآنِ مجید کلام اللہ ہے۔ مکے والے مانتے نہیں تھے بلکہ ان کا گمان تھا کہ یہ قرآن حضرت محمد ﷺ کا اپنا کلام ہے۔ اہل مکہ اور اہل عرب کو اپنے آپ پر ناز تھا کہ وہ زبان کی باریکیوں کے ساتھ ہر طرح کا مفہوم ادا کر سکتے ہیں اور قادر الکلامی ان کی شان تھی۔ قرآنِ مجید نے ان کے سامنے یہ بات رکھی کہ

وَ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ وَ ادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ O فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَ لَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ O (24-23:02)

''اور اگر تم کو اس (کتاب) میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل فرمائی ہے کچھ شک ہو تو اسی طرح کی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں ان کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو۔ لیکن اگر (ایسا) نہ کر سکو اور ہرگز نہیں کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے (اور جو) کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے''۔

گویا قرآنِ مجید ایسا کلام ہے کہ تمام اہل عرب مل کر بھی اس جیسا کلام پیش نہ کر سکے (اور نہ قیامت تک کر سکیں گے) لہٰذا آپ سے آپ ثابت ہوا کہ یہ حضرت محمد ﷺ کا کلام نہیں ہے بلکہ کلامِ خداوندی ہے۔ اور اسے اللہ تعالیٰ نے جبرائیل امین علیہ السلام کے ذریعے آپ ﷺ کے دل پر اتارا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک شان اور تجلّی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بوجوہ اللہ تعالیٰ کی ایک تجلی کو برداشت نہ کر سکے اور طور پہاڑ پر اس کا اعتراف کر لیا مگر قرآن پاک کی تجلی ہے ـــــــ جسے حضرت محمد ﷺ نے پورا وصول کیا، سمجھا، پڑھا آگے پہنچایا یہ آپ ﷺ کی انبیاء کرام علیہم السلام میں بھی بلند شان کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَوۡ اَنۡزَلۡنَا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیۡتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنۡ خَشۡیَةِ اللّٰهِ

''اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم اس کو دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے دبا اور پھٹا جاتا ہے'' (21:59)

قرآنِ مجید کی عظمت کتنی ہے؟ یہ حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اس کا کلام ہے یا مخلوق میں سے سب سے زیادہ حضرت محمد ﷺ جانتے ہیں اور محسوس کر سکتے ہیں کہ آپ پر نازل ہوا ہے۔

اس کلام کو سمجھنے میں جہاں دِقت پیش آئے یا ادراکِ انسانی کوتاہی کرے وہاں اس کلام کو سمجھانے کا فریضہ بھی صاحب قرآن حضرت محمد ﷺ کا تھا اس لئے کہ قرآنِ مجید کے ساتھ ہی اس کے لانے والا بھی ہے کہ جس کے دل پر اُترا ہے۔ لہٰذا قرآنِ مجید کے درسِ قرآن کے دوران، ترجمہ اور تشریح کے موقع پر ہر مدرّس کو اپنی گفتگو ـــــ قرآنِ مجید کے الفاظ کے اندر اندر اور آپ ﷺ کے فرامین اور تشریح کے تابع رکھنا ضروری ہے ورنہ تفسیر بالرائے کا خطرہ ہے جو ایمان کے لئے ایک مہلک شئے ہے۔

درسِ قرآن کی تیاری کے سلسلے میں قرآنِ مجید کی عظمت کا ایک گہرا تاثر مدرّس کے قلب پر نقش رہنا چاہئے اور یہ احساس اس کے اندازِ گفتگو، وضع قطع، نشست و برخاست سے بھی عیاں ہونا چاہئے۔ درس کے دوران بھی یہ احساس غالب رہنا چاہئے کہ ہم ایک عظیم ہستی (خالق ارض وسماء) کا کلام پڑھ رہے ہیں۔ اس کتاب کی عظمت ہمارے اعضا و جوارح سے اس طرح ظاہر ہوسکتی ہے کہ ظاہری طور پر بھی اس کا پورا پورا ادب و احترام کیا جائے اور کوئی ایسا انداز اختیار نہ کیا جائے جس سے سوئے ادب کا پہلو نکلتا ہو جیسا کہ ہم دوسری عام کتابوں کے سلسلے میں روا رکھتے ہیں۔ علامہ اقبال نے قرآنِ مجید کے بارے میں فرمایا ہے کہ

؎ فاش گویم آنچہ در دل مضمر است
ایں کتابے نیست چیزے دیگر است

''میں اپنے دل میں پوشیدہ بات صاف صاف کہتا ہوں کہ یہ (قرآن) کتاب نہیں ہے بلکہ کوئی اور ہی چیز ہے''۔

؎ مثل حق پنہاں و ہم پیدا ست او
زندہ و پائندہ و گویا ست او

''(قرآن مجید) حق (اللہ تعالیٰ) کی طرح پوشیدہ بھی ہے اور ظاہر بھی، اور زندہ بھی ہے اور ہمیشہ رہنے والا اور بولنے والا بھی''۔

؎ حرفِ او را ریب نے! تبدیل نے!
آیہ اش شرمندۂ تاویل نے!

''اس کتاب (قرآنِ مجید) کے الفاظ میں کوئی شک ہو (ممکن) نہیں۔ تبدیل کر دیے جائیں (ممکن) نہیں۔ اس کی آیات کی کوئی غلط تاویل ہو جائے (ممکن) نہیں''۔

؎ اے کہ می نازی بقرآنِ عظیم
تا کجا در حجرہ ہا باشی مقیم
در جہاں اسرارِ دین را فاش کن
نکتہ شرع مبیں را فاش کن

''اے (مسلمان) تجھے قرآنِ عظیم پر بڑا ناز ہے، کب تک اپنے ہجرے میں بیٹھا رہے گا؟ (اُٹھ) اس جہاں میں (قرآنِ مجید میں بیان کردہ) اسرارِ دین کو فاش کر یعنی شریعت مطہرہ کی حکمت کو بیان کر۔

؎ نوعِ انساں را پیامِ آخریں
حامل او رحمت للعالمین

''(یہ قرآنِ مجید) تمام انسانوں کے نام (اللہ تعالیٰ کا) آخری پیغام ہے، جس کو پہنچانے والے رحمت للعالمین ﷺ (جیسی شخصیت) ہیں''۔

گویا یہ قرآنِ مجید ـــــ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے ہماری رہنمائی کے لئے کتابِ ہدایت بن کر آیا ہے۔ یہ ہمارے ضمیر کی آواز ہے اور ہماری فطرت سے مکمل آہنگی رکھتا ہے اور ہر انسان کا دل (اگر زندہ ہو تو) ضرور اس کی تصدیق کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی اس کتاب کی خدمت پر لگا دیا ہے تو ہمیں اس کی توفیق ارزانی فرمائے اور اس خدمت میں لگائے رکھے آمین (جاری ہے)

ہجرت کی اہمیت

اسلام میں اور جہان میں

(حصہ دوم)

مسٹر کونسٹن ویرژیل
کی کتاب ''عکس سیرت'' سے ایک باب

مصنف کی بعض معلومات مسلمانوں کی متداول معلومات سے الگ ہیں۔ جیسے ہجرت کی تاریخ، مسجد قبا کا معاملہ وغیرہ قارئین اس سے درگزر فرمائیں۔ (مدیر)

حضرت محمد ﷺ کی ہجرت تاریخِ اسلام کا انتہائی اہم واقعہ ہے کیونکہ اس ہجرت کے بعد اسلامی معاشرہ صحیح معنوں میں ایک ''اُمت'' میں بدل گیا۔ رنگ ونسل، اعلیٰ وادنیٰ اور امیر و غریب کے طبقاتی فاصلے مٹ گئے۔ خاص طور پر اشرافیہ طبقے کی فوقیت اور قبائلی بالادستی ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی۔ سارے مسلمان سماجی طور پر ایک دوسرے کے برابر قرار دے دیے گئے۔

ہجرت، پرانی دنیا اور نئے ماحول کے درمیان حد فاصل بن گئی جس نے دورہ جاہلیت کو عہدِ اسلام سے جدا کر دیا اور کچھ اس طرح خاندانی برتری کا پانسہ اُلٹ دیا کہ جیسا کہ ہم بعد ازاں بتائیں گے کہ جب حضرت محمد ﷺ قبا میں داخل ہوئے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جیسا شخص جو مکہ کے سرداروں میں اوّل مقام رکھتا تھا اور جس کی قامت دو میٹر کے برابر تھی اور جس کی آواز آسمانی بجلی کی کڑک کی طرح فضا میں گونجتی تھی اور لوگ کہتے تھے کہ ابلیس بھی ان سے ڈرتا ہے تو ایسا شخص اپنے کندھوں پر پتھر اُٹھا رہا تھا اور مٹی ڈھو رہا تھا تاکہ مسجد کی تعمیر میں حصہ لے سکے اور خود سرکارِ دو عالم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس مٹی سے جسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ لاتے تھے مسجد کی تعمیر کے لئے گارا بنا رہے تھے۔ حالانکہ اسلام لانے سے پہلے اگر حضرت عمرؓ بن خطاب کو جزیرۃ العرب کی ساری دولت پیش کی جاتی تو وہ ایک پتھر تو کیا، مٹھی بھر مٹی بھی ایک جگہ سے دوسری

جگہ منتقل کرنے پر راضی نہ ہوتے؛ کیونکہ مکہ میں ہر قسم کا کام نوکروں اور غلاموں کی ذمہ داری ہوتا تھا اور اشرافیہ طبقہ اپنے آپ کو ایک برتر مخلوق تصور کرتا تھا۔

قبا کی وادی مدینہ کے جنوب میں واقع تھی اور وہ علاقہ مدینہ کے حدود میں شمار ہوتا تھا۔ مغربی مؤرّخین کہتے ہیں کہ سن 622ء میں ستمبر کے مہینے کی دوسری تاریخ کو قبا میں داخل ہوئے لیکن اسلامی مؤرّخین کا کہنا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے مؤرّخہ 16 جولائی 622ء کو قبا میں قدم رکھا اور چونکہ وہ دن محرم کے مہینے کا ایک دن تھا لہٰذا مسلمانوں نے محرم کی پہلی تاریخ کو اسلامی سال کا مبدأ قرار دیا اور آج بھی دنیا کی ساری مسلمان قومیں اسی تاریخ کو جو تاریخ ہجری کے نام سے موسوم ہے اپنے معمولاتِ زندگی میں استعمال کرتی ہیں۔

اگر پیغمبر اسلام ﷺ جولائی 16 تاریخ کو قبا میں داخل ہوئے ہوں تو جیسا کہ اسلامی مؤرّخین نے بھی لکھا ہے کہ موسم گرما کے باعث ان دنوں شدید گرمی پڑ رہی تھی۔ قبا کے شہریوں نے سن رکھا تھا کہ حضرت محمد ﷺ آج وہاں پہنچنے والے ہیں لہٰذا وہ پو پھٹتے ہی اپنے گھروں سے نکل کر پیغمبر اسلام ﷺ کے انتظار میں کھڑے ہو گئے تھے لیکن جب سورج سر پر آ گیا اور گرمی کی شدت میں اضافہ ہو گیا تو لوگ سورج کی تیز شعاعوں کو برداشت نہ کر سکے اور اپنے گھروں کو واپس لوٹ گئے۔ جب پیغمبر اسلام ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ قبا میں داخل ہوئے تو سورج آسمان کے وسط میں تھا اور اس کی شعاعوں کی حدت سے زمین کچھ اس طرح دہک رہی تھی کہ اگر کوئی برہنہ پا قدم اُٹھاتا تو فوراً اس کے پاؤں میں آبلے پڑ جاتے۔

کوئی بھی گلی کوچوں میں نہ تھا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی آمد کا نظارہ دیکھ سکے اور صرف ایک یہودی، کہ تاریخ نے جس کا نام ثبت نہیں کیا اس لمحہ وہاں سے گزر رہا تھا اس یہودی کو قبا کے دوسرے شہریوں کی طرح یہ علم تھا کہ پیغمبر اسلام ﷺ آج قبا میں داخل ہونے والے ہیں لہٰذا اس نے جیسے ہی دو سفید اونٹنیوں کو دیکھا اور ان پر سوار دو افراد پر نظر دوڑائی تو فوراً سمجھ گیا کہ آپ ﷺ قبا میں داخل ہو چکے ہیں۔ یہ دیکھتے ہی وہ قبا کے گلی کوچوں میں دوڑنے لگا اور زور زور سے چلانے لگا کہ ''اے یہودیو! آگاہ رہو تمہارا نجات دہندہ آ گیا ہے''۔ مدینہ کے یہودی بھی جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں مسلمانوں کی طرح پیغمبر اسلام ﷺ کی آمد کے منتظر تھے تاکہ وہ ان کے باہمی

اختلافات کا خاتمہ کردیں جن کی وجہ سے ان کی زندگی اجیرن ہوچکی تھی۔

قبا کے لوگوں نے جب اس شخص کی چیخ و پکار سنی تو اپنے گھروں سے باہر نکل آئے۔ نہ صرف مرد اور عورتیں بلکہ کمسن بچے بھی دوپہر کی شدید گرمی کے باوجود گھروں سے نکل آئے تاکہ آپ ﷺ کو ایک نظر دیکھ سکیں اور یہ دیکھ سکیں کہ وہ پیغمبر جو اللہ کی طرف سے مبعوث ہوا ہے کیسا ہے!

حضرت محمد ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کھجور کے دو درختوں کے سامنے اپنی اونٹنیوں کو بٹھایا اور نیچے اُتر کر نخل کے سائے میں کھڑے ہوگئے۔ قبا کے رہنے والے جن میں مسلمان اور یہودی دونوں شامل تھے آپ ﷺ کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہوگئے لیکن انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ ان دو میں سے کون پیغمبر اسلام ﷺ ہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ چونکہ حضرت محمد ﷺ سے تین سال بڑے تھے لہٰذا وہ اس بنا پر کہ لوگ غلطی نہ کریں اور انہیں پیغمبر نہ سمجھ بیٹھیں ایک دو قدم پیچھے ہٹ گئے اور اپنا لبادہ اُتار کر ایک سائبان کی طرح پیغمبر اسلام ﷺ کے سر پر تھام لیا تاکہ وہ سورج کی تمازت سے محفوظ رہیں۔ دراصل ان درختوں کا سایہ اتنا نہیں تھا کہ انہیں سورج کی گرمی سے محفوظ رکھ سکے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بنایا ہوا سائبان آپ ﷺ کو بہتر طور پر سورج کی شعاعوں سے محفوظ رکھ سکتا تھا۔

اس لمحہ لوگوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو بخوبی پہچان لیا اور عربوں کی رسم کے مطابق انہیں خوش آمدید کہنے کے لئے ''ھلھلہ'' مچانا شروع کردیا۔(ھلھلہ یعنی "APPLAUSE CRY OF EXCULATION" دراصل عرب باشندوں کا مخصوص انداز ہے اور یہ خاص طرز کی اس آواز کا نام ہے جسے عرب باشندے خوشی کے مواقع پر یا کسی کے استقبال کرنے کی خاطر اپنے منہ سے نکالتے ہیں جو لوگ عرب ممالک میں رہے ہوں وہ ''ہلہلے'' کا انداز اور اس کا مفہوم بخوبی سمجھتے ہیں کیونکہ یہ رسم آج بھی برقرار ہے۔ تاہم ہلہلے کی ایک قسم اظہارِ اعتراض کے لئے بھی استعمال کی جاتی ہے۔ خلیل)

جس جگہ حضرت محمد ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے اونٹوں سے اُترے تھے اس کا نام محلّہ بنی عمرو بن عوف تھا۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے پوچھا: ''یہ جگہ کس کی ملکیت ہے؟'' جواب میں ایک

نوجوان آگے بڑھا اور بولا: ''یہ زمین میری ہے اور کھجور کے ان درختوں کو میں نے بویا ہے''۔
آپ ﷺ نے کہا: ''میرا مطلب یہ تھا کہ اس زمین کا مالک' کہ اب مجھے پتہ چل گیا ہے تم ہو' کیا اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ہم کچھ دیر کے لئے ان درختوں کے سائے تلے ٹھہر جائیں؟''
اس نوجوان نے بصد اشتیاق جواب دیا: ''کیوں نہیں آپ جب تک چاہیں یہاں ٹھہر سکتے ہیں یا قیام کر سکتے ہیں۔'' لیکن اسی لمحہ قبا کے مسلمانوں میں سے ایک خاتون جن کا نام کلثوم تھا آگے بڑھیں اور انہوں نے پیغمبر اسلام ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ وہ ان کے گھر چلیں اور وہاں قیام کریں۔ آپ ﷺ نے ان کی دعوت قبول کرنے سے اجتناب کیا اور بولے کہ ہم لوگ تمہارے لئے زحمت کا باعث بنیں گے لیکن کلثومؓ نے مصر ہوتے ہوئے جواب دیا کہ یارسول اللہ! میرے گھر میں ایک حجرہ خالی ہے جو میرے استعمال میں نہیں لہٰذا آپ ﷺ اور آپ ﷺ کا ساتھی بلاتکلف اس حجرے میں ٹھہر سکتے ہیں۔ میں خود آپ ﷺ کے اونٹوں کی دیکھ بھال کروں گی اور ان کے دانہ پانی کا خیال رکھوں گی۔ لہٰذا کلثوم کے اصرار پر پیغمبر اسلام ﷺ نے ان کی دعوت قبول کر لی اور ان کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے اور وہاں پہنچ کر مذکورہ حجرے میں سکونت اختیار کر لی۔

دوسری طرف اہل مدینہ بھی اسی دن آپ ﷺ کی آمد سے باخبر ہو گئے اور پہلا شخص جو پیغمبر اسلام ﷺ کے شوقِ دیدار میں مدینہ سے قبا پہنچا وہ عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب تھے۔ بعدازاں دوسرے مسلمان بھی قبا پہنچنا شروع ہو گئے اور رفتہ رفتہ ان کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ آپ ﷺ اپنے مختصر سے حجرے میں ان سب کو خوش آمدید نہیں کہہ سکتے تھے لہٰذا سعد بن خیثمہ نامی شخص نے جس کا شمار بھی مسلمانوں میں ہوتا تھا اپنے گھر کو جو خاصا بڑا تھا' پیغمبر اسلام ﷺ کے اختیار میں دے دیا تا کہ اس وسیع گھر میں پیغمبر اسلام ﷺ کو دیگر مسلمانوں سے ملاقات کرنے میں سہولت رہے۔ تاہم آرام کرنے کی غرض سے آپ کلثوم کے چھوٹے گھر میں واپس آ جاتے اور رات بھی وہیں بسر کرتے تھے۔

قبا پہنچنے کے تیسرے دن حضرت محمد ﷺ نے ایک مسجد تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے مسجد کی زمین بطور ہدیہ پیش کرنا چاہی لیکن پیغمبر اسلام ﷺ نے کہا کہ میں اس زمین کو خریدنا زیادہ پسند کروں گا۔ لہٰذا انہوں نے وہ زمین خرید لی۔ اسلامی تاریخی میں زمین کی قیمت درج نہیں لیکن سبھی مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ مسجد قبا کی زمین کو

پیغمبر اسلام ﷺ نے خریدا تھا۔

مسجد قبا وہ پہلی مسجد ہے جو مسلمانوں نے تعمیر کی اور سارے مسلمان خواہ وہ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تھے اور مہاجرین کہلاتے تھے اور وہ جو مدینہ کے مسلمان باشندے تھے اور انصار کے نام سے مشہور تھے مذکورہ مسجد کی تعمیر میں شریک ہوئے۔ خود پیغمبر اسلام ﷺ بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر گارا بناتے اور اینٹیں ڈھالتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب بھی اپنے کندھوں پر بھاری بھرکم پتھر اُٹھاتے اور بہت دور سے مٹی کی بوریاں ڈھو کر لاتے تھے تاکہ اس سے گارا بنا کر اینٹیں ڈھالی جاسکیں۔

مسجد قبا حقیقی معنوں میں مسلمانوں کی پہلی جامع مسجد ہے کیونکہ سارے مسلمانوں نے اس کی تعمیر میں حصہ لیا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور صہیب رومی رضی اللہ عنہ جیسے نامی گرامی اور اشرافیہ طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ دوسرے غریب اور مفلس مسلمانوں کے شانہ بشانہ پتھر ڈھوتے رہے اور عام مزدوروں کی طرح کام کرتے رہے۔ خود پیغمبر اسلام ﷺ بھی صبح سے شام تک عام لوگوں کی طرح کام کرتے رہتے تھے۔

پیغمبر اسلام ﷺ نے قبا میں بیس روز قیام کیا اور جب مسجد مکمل ہوگئی تو انہوں نے مدینہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا جسے اس زمانے میں ''یثرب'' کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

عربی زبان میں یثرب کے معنی ایسا مقام جو انسان کو تکلیف پہنچائے یا ایسی جگہ جہاں انسان بیمار پڑ جائے۔ یہ نام دراصل بدوی باشندوں نے اس شہر کے لئے منتخب کیا تھا کیونکہ ایک بدوی عرب جو صحرا میں پہلی بار بارش کا رنگ دیکھتا تھا (اور وہ بھی صرف موسم بہار میں) جب مدینہ میں قدم رکھتا تو وہاں کی بارشوں کی وجہ سے اس کی طبیعت خراب ہو جاتی تھی۔ اسی بنا پر صحرانشین باشندے مدینہ کو ایک خراب آب و ہوا والا شہر سمجھتے تھے اور اسے یثرب کے نام سے پکارتے تھے۔ جبکہ شہر کے اصلی باشندوں نے اسے ''طیبہ'' کا نام دے رکھا تھا یعنی پاکیزہ اور دل پسند شہر۔ لہٰذا مدینے کا پہلا نام طیبہ تھا اور اس کی وجہ تسمیہ غالباً یہ تھی کہ جب کوئی انسان جزیرۃ العرب کے سلگتے ہوئے صحراؤں سے نکل کر طیبہ میں قدم رکھتا تو اسے یوں محسوس ہوتا جیسے بہشت میں داخل ہو گیا ہو۔ لیکن بدوی باشندے جو صحرا کی خشک آب و ہوا میں پرورش پاتے تھے جب طیبہ میں داخل

ہوتے تو وہاں کی آب وہوا کو جس میں قدرے نمی بھی ہوتی تھی برداشت نہ کر پاتے اور جلد ہی بیمار پڑ جاتے تھے۔ تاہم کچھ عرصہ بعد وہ بھی اس شہر کے عادی ہو جاتے اور وہاں کی مرطوب ہوا انہیں پریشان نہیں کرتی تھی۔

وہ لوگ جو مکہ سے ہجرت کر کے یثرب پہنچے تو شروع میں ان لوگوں اکثریت بیمار پڑ گئی، حتیٰ کہ خود پیغمبر اسلام ﷺ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کا آزاد شدہ غلام عامر بن فہیرہ بھی مدینہ پہنچنے کے بعد بیمار ہو گئے تھے۔

لہٰذا دو مختلف طرز تفکر رکھنے والوں نے اس شہر کے لئے دو مختلف نام تجویز کر رکھے تھے جو معنی کے اعتبار سے ایک دوسرے کے بالکل متضاد تھے۔ حضرت محمد ﷺ نے اس شہر میں داخل ہونے کے بعد ایک تو اس لئے کہ دو متضاد ناموں کا خاتمہ ہو جائے اور دوسرے اس بنا پر بھی کہ یہ نام وہاں کے مقامی مسلمانوں یعنی انصار اور مکہ سے آنے والے مسلمانوں یعنی مہاجرین کے درمیان اختلاف نظر کا سبب نہ بنے، دونوں ناموں کو منسوخ کر دیا اور اس شہر کو مدینہ کہہ کر پکارا یعنی ''شہر''۔ مدینہ کے لفظ سے نہ تو یہ ظاہر ہوتا تھا کہ یہ شہر اچھا ہے اور نہ ہی یہ پتہ چلتا تھا کہ برا ہے۔

مدینے کا رقبہ، جب آپ ﷺ وہاں داخل ہوئے تو تیس کلومیٹر کے برابر تھا۔ اس شہر میں عام گھروں کے علاوہ بہتر قلعے بھی موجود تھے جن میں سے 59 قلعے یہودیوں کے اور باقی تیرہ قلعے مدینہ کے اعراب کے تھے۔

شہر مدینہ بلندی پر واقع ہے اور دو پہاڑ اس کے شمال اور جنوب میں سر اُٹھائے کھڑے ہیں مدینہ کے تین طرف یعنی مشرق، مغرب اور جنوب میں منجمدہ شدہ آتش فشاں لاوا پھیلا ہوا ہے۔

اس زمانہ میں مدینہ کی آب وہوا (آج کی طرح) معتدل تھی اور وہاں جزیرۃ العرب کے دوسرے علاقوں کی نسبت بارشیں زیادہ ہوتی تھیں۔ اس شہر کے کنارے پانی کا بڑا تالاب بھی تھا جو بارش کے پانی سے بھرا رہتا تھا اور کبھی خشک نہیں ہوتا تھا۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی طفولیت کے زمانے میں،.....اسی تالاب میں تیرنا سیکھا تھا اور وہ طفل جو مکہ میں پانی سے نہیں کھیل سکتا تھا اسی تالاب میں تیرنے اور پانی سے کھیلنے سے بہت لطف اندوز ہوتا تھا۔

مدینہ کے رہنے والے بھی اہل مکہ کی طرح مختلف قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے اور ہر شخص

کسی نہ کسی قبیلے سے وابستہ تھا۔

وہاں بھی مکہ کی طرح پولیس تھی نہ جیل اور نہ ہی کوئی عدالت؛ لہٰذا جو بھی حق تلفی کا نشانہ بنتا تو اپنے قبیلے سے امداد طلب کرتا؛ تاکہ اس کا قبیلہ اس کا حق واپس دلوا سکے۔

مدینہ میں بھی مکہ کی طرح انسانی جان کا قتل گناہ نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ ایک نقصان تصور ہوتا تھا اور قاتل مقتول کے قبیلے کو خون بہا ادا کر کے حساب برابر کر دیتا تھا۔ خون بہا کی کم سے کم حد ایک سو اونٹ تھی لیکن بڑے لوگوں کے خون کی قیمت اس سے زیادہ دریافت کی جاتی تھی۔

مدینہ کے رہنے والے آدھے باشندے عرب تھے اور آدھے یہودی۔

مدینہ میں یہودیوں کے تین بڑے قبیلے تھے اور اعراب بھی تین قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ مدینہ کے اعراب کا ذریعہ معاش زراعت اور مویشیوں کی پرورش تھا اور ان میں سے کچھ تجارت کا پیشہ بھی اختیار کیے ہوئے تھے۔ یہودیوں کے تینوں قبیلوں کا مشغلہ ایک دوسرے سے مختلف تھا۔ ایک قبیلہ کھیتی باڑی کرتا تھا اور دوسرا زرگری اور گوہر فروشی اور تیسرا قبیلہ باغبانی کے ذریعے اپنی روٹی کماتا تھا۔

مدینے کے اعراب میں گاہے اوقات جنگ بھی چھڑ جاتی تھی اور ان میں سے ایک لڑائی اسلام سے پہلے مدینہ کے دو عرب قبیلوں کے درمیان چھڑی تھی جس کی وجہ زمین کا تنازعہ تھا۔

مذکورہ دو قبیلوں کو اس معرکہ آرائی سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا لیکن ایک شخص جس کا نام عبداللہ بن اُبی تھا' اس نزاع سے فائدہ اُٹھا گیا اور اس نے اپنی قدر و منزلت میں اتنا اضافہ کر لیا کہ مدینہ کے کچھ لوگ اسے اپنا بادشاہ بنانے کی سوچنے لگے حتیٰ کہ مدینہ کے سناروں نے اس کے سر کا ناپ بھی لے لیا تاکہ اس کے لئے تاج بنا سکیں۔ لیکن جب انہوں نے یہ سنا کہ پیغمبر اسلام ﷺ مدینہ آ رہے ہیں اور وہ سب لوگوں کے درمیان انصاف برقرار کر دیں گے اور باہمی رنجشوں کا خاتمہ کر دیں گے تو انہوں نے عبداللہ بن اُبی کو بادشاہ بنانے کا خیال ترک کر دیا۔

اس سے پہلے کہ حضرت محمد ﷺ مدینہ میں داخل ہوں وہاں ''اشتق'' نامی ایک شخص ایسا تھا جو انسانی قتل کے سلسلے میں خون بہا کا تعین کرتا یا کسی جرم کے بارے میں سزا سناتا تھا۔

ہجرت سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی مکہ میں ایسے ہی مقام پر فائز تھے اور جب بھی

کوئی قتل واقع ہوتا یا آنکھ پھوڑ دی جاتی یا کسی کا دانت توڑ دیا جاتا تو وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس شکایت لے کر آتا تاکہ وہ خون بہا یا دیت کی شرح معلوم کریں۔

مدینہ میں خون بہا کی شرح یا دوسرے جرائم کی سزا مکہ سے مختلف نہ تھی اور وہاں بھی ایک آدمی کے خون کی قیمت ایک سو اونٹ اور آنکھ پھوڑنے کا جرمانہ پچاس اونٹ کی صورت میں طلب کیا جاتا تھا تاہم دانت توڑنے کی سزا دانت کا توڑنا ہی ہوتا تھا یعنی جس کسی کا دانت ٹوٹتا تو وہ اپنے مدمقابل کا دانت توڑنے کا حق رکھتا تھا۔

مدینہ کے یہودی جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر خوش تھے تو وہ اس خوشی کے علاوہ اپنے دلوں میں یہ آس بھی لگائے بیٹھے تھے کہ آپ ان کے دین کو قبول کر لیں گے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مدینہ پہنچنے کے بعد اللہ کے احکام کے مطابق کچھ اس طرح کا مصالحت آمیز لائحۂ عمل اختیار کیا کہ جس سے یہودیوں کی امیدواری مزید بڑھ گئی۔ ان میں سے ایک مسجد قبا کی تعمیر تھی جس کا قبلہ بیت المقدس کی طرف تھا۔

یہودیوں نے جب یہ دیکھا کہ مسجد قبا کی محراب بیت المقدس کی طرف ہے تو انہیں یقین ہو گیا کہ آپ عنقریب موسیٰ علیہ السلام کا دین قبول کر لیں گے کیونکہ قرآن میں گزشتہ پیامبروں کا نام جن میں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام بھی شامل ہیں بڑے احترام سے لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ان کے ذہنوں میں یہ بات بھی سمائی ہوئی تھی کہ اگر کوئی قوم اس قابل ہے کہ جس میں پیغمبر اٹھایا جائے تو وہ صرف قومِ یہود ہی ہو سکتی ہے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد قبا کی تعمیر میں مصروف تھے تو یہودیوں کے کچھ مذہبی راہنماؤں نے ان سے ملاقات کی اور یہ جاننا چاہا کہ وہ کب موسیٰ کا دین قبول کر رہے ہیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے علمائے یہود کو جو جواب دیے ان سے واضح ہوتا تھا کہ وہ ایسا نہیں کریں گے۔ لہٰذا یہودیوں نے کہا: ''یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تم پیغمبر بننا چاہتے ہو تو پہلے یہودی بنو کیونکہ آج تک جو پیغمبر بھی آیا ہے اس کا تعلق قومِ یہود سے تھا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دنیا میں صرف قومِ یہود ہی اس قابل ہے کہ اس کے برگزیدہ افراد اللہ سے ہم کلام ہو سکیں۔ ہو سکتا ہے اللہ دوسری اقوام سے رابطہ برقرار کرے لیکن یہاں بھی جو قوم واسطے کا کردار ادا کرے گی وہ قومِ یہود

ہی ہوگی کیونکہ دنیا کی ساری قوموں میں یہودیوں کا مقام اوّل ہے اور بقیہ قومیں دوسرے، تیسرے یا چوتھے نمبر پر آتی ہیں۔

آپ ﷺ نے یہودیوں کے مذہبی راہنماؤں کو جواب دیا کہ میں بذات خود پیغمبر نہیں بنا بلکہ اللہ نے مجھے پیامبری کے لئے مبعوث کیا ہے۔ اللہ کی نظر میں کوئی قوم دوسری قوم پر برتری نہیں رکھتی اور ساری قومیں اور سارے انسان اللہ کی نظر میں ایک ہیں، اور اللہ جب بھی چاہے اور جس کے ساتھ بھی چاہے رابطہ برقرار کرسکتا ہے اور یہ امتیاز صرف قوم یہود کو حاصل نہیں۔

پہلی مرتبہ جب مسلمانوں نے مسجد قبا میں نماز ادا کی تو وہ جمعہ کا دن تھا اور پیغمبر اسلام ﷺ نے روز جمعہ کو مسلمانوں کی اجتماعی عبادت کا دن قرار دیا۔ یہ بات یہودیوں پر گراں گزری کیونکہ انہیں توقع تھی کہ آپ ہفتے (سنیچر) کے دن کو مسلمانوں کی عبادت کے لئے متعین کریں گے۔

قبا میں کسی بھی یہودی نے اسلام قبول نہیں کیا مگر ایک شخص نے جو وہی یہودی تھا جس نے آپ ﷺ کی آمد کا اعلان کیا تھا۔ ہم بتا چکے ہیں کہ تاریخ نے مذکورہ شخص کا نام ثبت نہیں کیا لیکن کچھ اسلامی مصنّفین نے لکھا ہے کہ اس شخص کا نام ''شلوم'' تھا۔

اس جمعہ کے دن جب مسلمان فریضہ نماز ادا کرنے کی خاطر مسجد قبا میں جمع ہوئے تو کچھ یہودی بھی وہاں پہنچ گئے۔ آپ ﷺ نے اپنے خطبے میں یہودیوں کو مخاطب قرار دیتے ہوئے انہیں یہ سمجھانا چاہا کہ وہ لوگ دوسری قوموں سے برتر نہیں۔ اللہ نے کسی قوم کو دوسری قوم پر فوقیت دے کر پیدا نہیں کیا بلکہ اس کی نظر میں سب برابر ہیں البتہ اللہ کا قرب وہی لوگ حاصل کرسکتے ہیں جو متقی اور پرہیزگار ہوں۔

جب یہودی مسجد قبا سے باہر نکلے تو وہ جان چکے تھے کہ آپ ﷺ یہودیوں کا دین تسلیم کرنے والے نہیں۔ لہٰذا اس دن کے بعد انہوں نے پیغمبر اسلام ﷺ اور عام مسلمانوں کی مخالفت پر کمر باندھ لی اور اپنی دشمنی کا اظہار افواہوں سے شروع کیا۔ انہوں نے یہ افواہ پھیلا دی کہ اللہ کی طرف سے پیغام آیا ہے کہ ساری مسلمان عورتیں بانجھ ہوجائیں گی اور جو عورت اسلام لائے گی تو وہ ہمیشہ کے لئے بے اولاد ہوجائے گی۔

یہ افواہ ایسے موقع پر پھیلائی گئی کہ جب مکہ سے مہاجرت کرنے والے مسلمان مدینہ

کے موسمی اثرات کی وجہ سے بیمار پڑے ہوئے تھے۔ لہٰذا مسلمانوں کی عورتیں بھی مردوں کی طرح بیمار تھیں اور جب انہوں نے یہ سنا کہ بے اولاد ہو جائیں گی تو ان پر مزید نفسیاتی دباؤ پڑا اور وہ پہلے سے زیادہ پریشان رہنے لگیں۔

آپ ﷺ نے مسلمانوں کو مسجد میں جمع ہونے کا حکم دیا اور ان سے کہا کہ مسلمان عورتوں کے بارے میں کچھ افواہیں پھیلی ہوئی ہیں جو ہرگز اللہ کا پیغام نہیں؛ لہٰذا تم مردوں کا فرض ہے کہ انہیں حوصلہ و دلداری دو اور یاد رکھو کہ جو انسان بھی اپنے آرام بخش کلام سے کسی کے دل کو تسکین پہنچائے گا تو اس کا اجر اللہ کے پاس محفوظ رہے گا۔

بعد میں اللہ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ مسلمانوں کا قبلہ (جو بیت المقدس کی طرف تھا) بدل دیا جائے اور خانہ کعبہ کو مسلمانوں کا نیا قبلہ قرار دیا جائے۔ لہٰذا مسجد قبا کا قبلہ بھی تبدیل ہو گیا اور چونکہ شروع میں مذکورہ مسجد کا رخ بیت المقدس کی طرف تھا لہٰذا کچھ اسلامی مؤرّخین نے مسجد قبا کو ''دو قبلوں والی مسجد'' کا نام دیا ہے۔

قبا سے روانگی، مدینہ میں آمد

جب مسجد قبا مکمل ہو گئی تو حضرت محمد ﷺ نے عزمِ مدینہ کیا اور اپنی اونٹنی پر جس کا نام قصویٰ تھا سوار ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب محمد ﷺ مدینہ پہنچے تو سارے مسلمان اس شہر کی گلیوں، کوچوں اور بازاروں میں جمع ہو چکے تھے اور ان میں سے کچھ لوگ پیغمبر اسلام ﷺ کی اونٹنی کی طرف جاتے اور اس کی عنان تھام کر یہ درخواست کرتے کہ رسول اللہ ﷺ ان کے گھر میں قیام کریں یا ان کے محلے کی طرف چلیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے جب لوگوں کا اصرار واشتیاق دیکھا تو انہیں احساس ہوا کہ اگر وہ مسلمانوں میں سے کسی ایک کے گھر میں ٹھہریں یا کسی خاص محلے میں اُتریں تو ہو سکتا ہے یہ بات دوسروں کی رنجش یا دل شکنی کا باعث بنے اور یہ تصور کرنے لگیں کہ پیغمبر خدا ان میں سے کسی ایک کو دوسروں پر ترجیح دیتے ہیں اور اسے خاص نوازش کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

یہی وجہ تھی کہ انہوں نے کہا: میرے اونٹ کی لگام چھوڑ دو اور اسے جہاں بھی چاہے

جانے دو کیونکہ میں جانتا ہوں کہ میری اونٹنی وہیں بیٹھے گی جہاں اللہ کی مرضی ہوگی اور میں بھی وہیں قیام کروں گا جہاں اللہ چاہے گا۔

پیغمبر کی اونٹنی قصویٰ مدینہ کے کئی محلوں سے گزری اور محلّہ ''النجار'' میں داخل ہوگئی۔ دور سے ایک سفید عمارت نمایاں ہوئی جسے محمد ﷺ نے پہچان لیا اور جان گئے کہ یہ حضرت عبدالمطلب کی والدہ کا گھر تھا جو ہاشم کی زوجہ تھیں۔ مدینہ کے مسلمان بھی اس بات سے باخبر تھے لہٰذا وہ سمجھے کہ قصویٰ اس گھر کے سامنے ٹھہر جائے گی لیکن اس نے وہاں توقف نہیں کیا اور اپنی راہ چلتی رہی۔ مدینہ کے سارے مسلمان پیغمبر ﷺ کی اونٹنی کے پیچھے چل رہے تھے اور یہ جاننے کے مشتاق تھے کہ یہ اونٹنی آخر کار کہاں ٹھہرے گی۔

کچھ مسافت کے بعد وہ لوگ ایسی جگہ پہنچے جہاں حضرت محمد ﷺ کے والد حضرت عبداللہ کی قبر تھی تاہم سبھی لوگ جانتے تھے کہ ان کی والدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی قبر وہاں نہیں ہے۔ کچھ مسلمانوں کو خیال گزرا کہ شاید اونٹنی وہاں ٹھہرے لیکن قصویٰ وہاں بھی نہیں رُکی اور اپنی راہ چلتی رہی۔ کچھ لمحوں بعد ایسی جگہ پہنچی جہاں ''انیسہ'' نامی خاتون کا گھر تھا۔

اس زمانے میں جبکہ حضرت محمد ﷺ کی والدہ بقید حیات تھیں اور آپ ﷺ بھی مدینہ رہتے تھے تو اس وقت انیسہ ایک کمسن بچی تھی وہ آپ ﷺ کے ساتھ کھیلا کرتی تھی لیکن اب وہ ادھیڑ عمر کی عورت سمجھی جاتی تھی۔ پیغمبر ﷺ کی اونٹنی نے وہاں بھی توقف نہیں کیا لیکن وہ اس علاقے سے جو قبیلہ النجار کا مسکن تھا دور بھی نہیں ہوئی تھی۔

آپ ﷺ نے جب یہ دیکھا کہ ان کی اونٹنی اس محلے سے دور نہیں ہو رہی تو انہیں اپنی والدہ اور ان کے خاندان کی یاد آ گئی کیونکہ ان کا شجرہ مادری قبیلے النجار سے پیوستہ تھا اور اگرچہ انہوں نے مکہ میں اپنے جد و اسلاف سے ناطہ توڑ لیا تھا تاہم ان کا رابطہ شجرہ مادری سے اب بھی برقرار تھا۔

قصویٰ کچھ دیر تک النجار نامی محلے میں چکر لگاتی رہی پھر ایسے قطعہ زمین میں داخل ہوگئی جو بالکل خالی تھا۔ اونٹنی وہاں پہنچ کر چند قدم اور آگے بڑھی پھر ٹھہر گئی اور زمین پر گھٹنے ٹیک دیے۔ حضرت محمد ﷺ نے یہ اطمینان حاصل کرنے کی خاطر کہ آیا اس کا توقف عارضی ہے یا مستقل قصویٰ کو اٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی جگہ سے ہل کی نہیں دی۔

اس جگہ پر جہاں اونٹنی نے گھٹنے ٹیکے تھے کوئی گھر موجود نہیں تھا اور اس قطعہ زمین کو کھجوریں خشک کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ البتہ وہاں سے کچھ فاصلے پر ایک گھر تھا اور مسلمانوں نے اپنے پیغمبر ﷺ کو بتایا کہ یہ گھر ابوایوبؓ نامی شخص کی ملکیت ہے۔

مسلمانوں نے جب یہ دیکھا کہ پیغمبر ﷺ کی اونٹنی زمین کے اس ٹکڑے میں بیٹھ گئی ہے تو انہوں نے بے پناہ مسرت کا اظہار کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ پیغمبر اسلام ﷺ مسلمانوں کی عبادت کے لئے وہاں مسجد بنائیں گے اور وہیں پر اپنے گھر کی تعمیر بھی کریں گے اور زمین کا وہ ٹکڑا، ہماری آج کی اصطلاح میں، اسلام کا ہیڈ کوارٹر بنے گا۔

پیغمبر اسلام ﷺ نے پوچھا: ''یہ زمین کس کی ہے؟''

مسلمانوں میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور بولا: یا محمد! یہ زمین دو کمسن یتیم بچوں کی ملکیت ہے اور میں اسد بن زراہ ان بچوں کا سرپرست ہوں۔ لیکن میں اس زمین کو آپ کی نذر کرتا ہوں تا کہ آپ یہاں مسجد بنا سکیں اور گھر کی تعمیر کر سکیں۔

آپ ﷺ نے جواب دیا: ''اگر یہ زمین ان دو یتیم بچوں کی نہ ہوتی اور تمہاری ملکیت ہوتی تو بھی میں اسے بلا قیمت حاصل کرنے پر راضی نہ ہوتا خاصا یہ کہ دو یتیم بچے اس زمین کے مالک ہیں۔ یا اسد! میرا بچپن یتیمی میں گزرا ہے اور میں بھی ماں باپ کی نعمت سے محروم رہا ہوں لہٰذا میں اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ ایک یتیم پر کیا گزرتی ہے اور اسے کتنے غم اٹھانے پڑتے ہیں۔ البتہ میں ایک شرط پر یہ زمین لینے پر آمادہ ہوں اور وہ یہ کہ تم اس زمین کی قیمت دوسری عام زمینوں سے زیادہ لگا کر مجھ سے دریافت کرو۔

اسدؓ بن زرارہ نے کہا کہ اس زمین کی قیمت سات دینار ہے۔

پیغمبر اسلام ﷺ نے زمین کی قیمت کے بارے میں دوسرے مسلمانوں سے مشورہ کیا اور انہوں نے اسد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی لگائی ہوئی قیمت کی توثیق کر دی۔ پھر آپ ﷺ نے اعلان کیا کہ میں زمین کو دس دینار کے عوض خرید رہا ہوں تا کہ اسد بن زرارہ ان یتیم بھائیوں کے لئے یہاں سے بہتر زمین خرید سکے۔

اسلام کے خزانچی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوئے تھے

بلا دریغ پیسوں کی تھیلی کھولی اور سونے کے دس سکے زمین کے مالک کو ادا کر دیے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اس زمانے میں دس دینار یعنی سونے کے دس سکے ایک بہت بڑی رقم سمجھی جاتی تھی۔ اس وقت نہ تو مکہ کا اپنا کوئی سکہ رائج تھا اور نہ ہی مدینہ کا۔ اور ان دونوں شہروں میں جو سکے جاری تھے وہ رومی تھے یا ایرانی۔ دینار سونے کا بنا ہوا سکہ تھا اور ایرانی دینار کو ''خسروی'' یا ''دینار خسروان'' کے نام سے پہچانتے تھے۔ رومی سکے کا نام ''ہرقلی'' تھا جو وہاں کے بادشاہ ہرقل کے نام پر رکھا گیا تھا۔ واضح رہے کہ روم سے مراد ''رومۃ الصغریٰ'' (آج کا ترکی) ہے جس کا پایہ تخت بزنطین تھا جو آج ''استنبول'' کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔

مدینہ پہنچنے کے دوسرے ہی دن پیغمبر اسلام ﷺ نے تمام مسلمانوں کی مدد سے اسی جگہ پر جہاں ان کی اونٹنی بیٹھی تھی، مسجد کی تعمیر شروع کر دی اور بلا امتیاز سارے مرد جن میں خود پیغمبر ﷺ بھی شامل تھے اپنے ہاتھوں سے مٹی ڈھوتے، پتھر لاتے، گارا بناتے اور مسجد کی تعمیر میں ہمہ وقت مصروف رہتے تھے۔

مذکورہ مسجد کا انداز تعمیر ایسا نمونہ بن گیا کہ جس کو سامنے رکھ کر صدر اسلام میں دوسری مساجد کی بنیاد رکھی گئی۔ مسجد کی تعمیر کا طریقہ کار یہ تھا کہ مسجد کی بنیادوں کے لئے تین ذراع کی گہرائی میں پتھر رکھے جاتے اور خام اینٹوں سے دیواروں کی چنائی کی جاتی تھی۔ مسجد کی چھت کو درخت خرما کے تنوں سے مکمل کیا جاتا اور اسے کھجور کے پتوں سے جنہیں ''جرید'' کہتے ہیں ڈھانپ دیا جاتا تھا۔

مذکورہ مسجد کی تعمیر میں سات ماہ کا عرصہ لگا اور مسلمانوں نے اس مسجد کو خاصا مضبوط اور پائیدار بنایا کیونکہ مدینہ ایسا شہر تھا جہاں بارشیں زیادہ ہوتی تھیں اور اگر مسجد کو مضبوط نہ بنایا جاتا تو وہاں شدید بارشیں اسے نقصان پہنچا سکتی تھیں۔ مسجد مدینہ کا قبلہ بھی مسجد قبا کی سمت جیسا تھا کیونکہ ابھی یہ احکام نہیں آئے تھے کہ قبلے کا رخ کعبہ کی طرف موڑ دیا جائے۔

مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے والے کچھ مسلمان ایسے تھے جن کے پاس رہنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے مدینہ کی مسجد میں ہی ان لوگوں کے لئے اینٹوں اور گارے کی مدد سے ایک بہت بڑا تھڑا (صفہ) تعمیر کروایا جہاں وہ لوگ رات کے وقت آرام کر سکتے تھے اور دن

کے وقت سورج کی تمازت سے محفوظ رہنے کے لئے اس جگہ پر ایک سائبان بھی تعمیر کروایا جسے کھجور کے درختوں کی شاخوں اور پتوں سے ڈھانپا گیا تھا۔

چونکہ اس جگہ کو ''صفہ'' کہتے تھے اسی لئے وہاں قیام کرنے والوں کو ''اہل الصفہ'' کے نام سے پکارا گیا۔ یہ وہی لوگ تھے جو شروع میں بہت غریب اور مفلوک الحال تھے لیکن بعد میں یہی لوگ مشاہیر اسلام کے زمرے میں آئے اور جو شخص بھی اہل صفہ سے تعلق رکھتا تھا وہ آج اسلام کی بزرگ شخصیت سمجھا جاتا ہے..... اور صفہ نامی یہی جگہ جو ایک دن غریبوں اور مسکینوں کی پناہ گاہ تھی علم و دانش کا مرکز بن گئی اور صفہ میں ہی اسلام کے پہلے دانش کدہ نے درس و تدریس کا کام شروع کیا۔

حضرت محمد ﷺ جب مدینہ میں اپنی اونٹنی سے نیچے اُترے اور زمین پر قدم رکھا تو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے سامان اُتارا اور چاروں طرف نظر دوڑائی تاکہ یہ دیکھ سکیں کہ ٹھہرنے کے لئے کون سی جگہ مناسب ہوگی۔ اسی لمحہ ایوب رضی اللہ عنہ جن کا پورا نام ''ابوایوب خالد بن زید'' تھا اور جن کا گھر دوسرے گھروں کے مقابلے میں زیادہ قریب تھا، آگے بڑھے اور پیغمبر ﷺ کے ہاتھوں سے سامان لیتے ہوئے بولے: ''یارسول اللہ! آپ میرے ہاں قیام فرمائیں۔''

آپ ﷺ نے پوچھا: ''آیا تمہارے گھر میں اتنی جگہ ہے کہ مجھے ٹھہرا سکو؟''

ابوایوب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''بالکل ہے یارسول اللہ۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں ایک شرط پر تمہارے ہاں ٹھہرنے کو تیار ہوں کہ کھانے پینے کے سلسلے میں تم پر بوجھ نہ بنوں۔''

ابوایوب رضی اللہ عنہ نے حیران ہوکر پوچھا: ''مگر آپ کتنا کھاتے ہیں یارسول اللہ! جو مجھ پر بوجھ بنیں گے۔''

پیغمبر ﷺ نے جواب دیا: ''میرا کھانا جتنا بھی کم ہو پھر بھی تمہارے لئے زحمت کا باعث بنوں گا۔''

جب ابوایوب رضی اللہ عنہ کو یہ احساس ہوا کہ آپ ﷺ اس بات پر مصر ہیں کہ وہ ان کے گھر کھانا وغیرہ نہیں کھائیں گے تو انہوں نے اپنا سر تسلیم خم کر دیا اور پیغمبر اسلام ﷺ صرف رات کو سونے کی غرض سے ان کے گھر جاتے اور سارا دن دوسرے مسلمانوں کے دوش بدوش مسجد کی تعمیر

میں مصروف رہتے تھے۔ آپ ﷺ کا نصب العین یہ تھا کہ جتنا جلدی ہو سکے ''امت''، یعنی اسلامی معاشرے کی تشکیل اور تربیت کا کام شروع کر دیں۔

مکہ سے مدینہ آنے والے اکثر مسلمان انتہائی مفلس اور تہی دست تھے اور چونکہ وہ لوگ حال ہی میں اپنے وطن اور خاندان سے دور ہوئے تھے لہٰذا ان پر غم واندوہ کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ اس کے علاوہ یہودیوں کی افواہیں بھی جن میں مسلمان عورتوں کے بانجھ ہو جانے کا ذکر تھا انہیں مزید پریشان کیا کرتی تھیں۔ لیکن اسی دوران ایک مسلم عبداللہ بن زبیر کی زوجہ نے ایک خوبصورت اور تندرست بچے کو جنم دیا اور اس واقعہ نے مسلمانوں کے خدشات دور کر دیے اور وہ جان گئے کہ مسلمانوں کی عورتیں بے اولاد نہیں رہیں گی۔

چونکہ مکہ سے آنے والے مسلمان تہی دست تھے اور ان کے پاس رہنے کے لئے جگہ بھی نہیں تھی؛ اسی لئے پیغمبر اسلام ﷺ نے انصار کو ہدایات دیں کہ وہ لوگ مکہ کے مسلمانوں میں کسی ایک کے ساتھ ''عہد اُخوت'' باندھ لیں اور انہیں اپنے گھروں میں جگہ دیں اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر تحصیل معاش کریں تا کہ مکہ کے مسلمانوں کی زندگی سدھر جائے اور جیسے ہی وہ لوگ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے قابل ہوں اور اپنی روزی خود کمانے لگیں تو مدینہ کے مسلمانوں یعنی انصار سے علیحدہ ہو کر اپنے لئے مستقل زندگی اختیار کر لیں۔

پیغمبر اسلام ﷺ کے کلام میں اتنا اثر تھا کہ مدینہ کے سارے مسلمانوں نے ان کی تجویز کو دل وجان سے قبول کر لیا اور یوں مکہ سے آنے والے ایک سو چھیاسی مسلمانوں نے مدینہ کے مسلمانوں یعنی انصار کے ساتھ عہد اخوت باندھا اور ان لوگوں کے گھروں میں پناہ گزین ہو گئے۔

قرآن کے آٹھویں سورۃ ''سورۃ انفال'' کی 74 ویں آیت میں مدینہ کے مسلمانوں کی قدر دانی ہوئی ہے جنہوں نے مکہ کے مہاجرین کو پناہ دی تھی۔ مذکورہ سورۃ میں آیا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْم

یعنی ''وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے پناہ دی

(یعنی مکہ کے مہاجرین کو اپنے گھروں میں جگہ دی) اور مدد کی (یعنی مہاجرین کی مدد کی) وہ سچے مؤمن ہیں اور اللہ ان کی مغفرت کرتا ہے اور ان پر رزق کے دوراز ے کھولتا ہے۔

چونکہ مسلمانوں کو مسجد کی تعمیر میں بھی حصہ لینا تھا لہٰذا عہد اخوت باندھنے کے بعد انہوں نے آپس میں یہ سمجھوتہ کیا کہ جو مہاجر کسی انصار کے گھر میں مقیم ہے تو وہ ایک دن اللہ کی راہ میں مسجد کی تعمیر میں بلا مزدوری کام کرے اور دوسرے دن کہیں اور محنت مزدوری کر کے اپنے اور اپنے میزبان کے لئے ذریعہ معاش فراہم کرے۔

مدینہ کے مسلمانوں نے بھی ایسا ہی کیا اور ہر مدنی مسلمان جس نے مکی مسلمان کو پناہ دے رکھی تھی ایک دن اپنے اور اپنے مہمان کا پیٹ بھرنے کے لئے محنت مزدوری کرتا اور ایک دن اللہ کی راہ میں رضا کارانہ طور پر کام کرتا تھا۔

خود حضرت محمد ﷺ تحصیل معاش کی خاطر اہل مدینہ کے کسی فرد کے ساتھ عہد اخوت باندھنے پر رضامند نہ ہوئے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ہوسکتا ہے ان لوگوں کے دل کو ٹھیس پہنچے جن کے ساتھ انہوں نے عہد اخوت نہیں باندھا اور شاید وہ لوگ یہ سوچیں کہ پیغمبر ﷺ نے انہیں عہد اخوت کے قابل نہیں سمجھا۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اپنے چچا کے بیٹے علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کے ساتھ عہد اخوت باندھ لیا اور ان سے کہا: ''یا علی ہم ایسا کرتے ہیں کہ اپنے ذریعہ معاش کے لئے ایک دن تم کام پر جاؤ اور دوسرے دن میں محنت مزدوری کروں گا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا: ''یا رسول اللہ! مسجد کی تعمیر اور اس کے کام کی پیشرفت کے لئے آپ کا وہاں ہونا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ کوئی دن ایسا نہیں کہ مسلمانوں کو آپ سے کوئی نہ کوئی کام نہ ہو اور وہ اپنے مسائل آپ کے حضور پیش نہ کریں۔ لہٰذا آپ روزانہ مسجد جائیں اور اس کام کی نگرانی کریں اور مسلمانوں کے سوالات کا جواب دیں میں اکیلا ہی اپنے اور آپ کے وسیلہ معاش کے لئے کام کرنے پر تیار ہوں''۔

حضرت محمد ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کی تجویز مان لی اور پیغمبر کے چچازاد بھائی روزانہ کام کی تلاش میں باہر نکل جاتے تھے۔

شاید آپ یہ تصور کریں کہ وہ کام جو حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ میں انجام دیتے تھے ان کے

خاندانی وقار اور اعلیٰ طبقے کی حیثیت کے مطابق ہوتا تھا، جی نہیں۔ اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح خاندانِ بنو ہاشم سے تعلق رکھتے تھے اور ان کا شمار مکہ کے بزرگوں میں ہوتا تھا لیکن وہ تحصیل معاش کی خاطر پانی ڈھونے کا کام انجام دیتے تھے تاکہ مدینے کا ایک مالدار شخص اپنے گھر کی تعمیر کے لئے گارا بنا سکے اور اینٹیں ڈھال سکے۔

پانی کے ذخیرے اور مکان بنانے کی جگہ کے درمیان اتنا زیادہ فاصلہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ صبح سے شام تک سولہ ڈول سے زیادہ پانی نہیں لا سکتے تھے اور ایک ڈول کے عوض انہیں ایک کھجور سے زیادہ مزدوری نہیں ملتی تھی۔ لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک دن کی مزدوری کھجور کے صرف سولہ دانے ہوتے جن میں سے آٹھ دانے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیتے تھے اور یوں وہ دونوں ایک عرصہ تک روزانہ آٹھ کھجوروں پر ہی گزارا کرتے رہے.....اور یہی تھے وہ عظیم لوگ جنہوں نے اسلام کی بنیاد رکھی اور اسے پروان چڑھایا۔ تاہم جیسا کہ ہم کتاب کے آغاز میں بتا چکے ہیں کہ وہ لوگ بچپن سے ہی بھوک اور پیاس کو برداشت کرنا سیکھ جاتے تھے اور بھوک اور پیاس کا خوف ان کے عزم وارادہ کو متزلزل نہیں کرتا تھا۔

مدینہ کی آدھی آبادی یہودیوں پر مشتمل تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شہر میں مستقر ہونے کے بعد بھرپور کوشش کی کہ وہ لوگ بھی اسلام کو مساعدت کی نگاہ سے دیکھیں اور اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔

علمائے اسلام نے لکھا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ جب اسلام آیا تو سارے اسلامی احکام یکبارگی نازل نہیں ہوئے بلکہ آہستہ آہستہ اور بتدریج تیئس سال کی مدت میں نازل ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ کچھ علمائے اسلام کا کہنا ہے کہ جہاں بھی ضرورت محسوس ہوتی اور اللہ کی طرف سے فی الوقت نئے احکام نازل نہ ہوئے ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تورات کے قوانین کو مدنظر رکھ کر کوئی فیصلہ کر لیتے تھے۔

اسلامی احکام کے بتدریج نازل ہونے کی وجہ بھی صاف ظاہر ہے کیونکہ اگر گزشتہ قوانین یک لخت منسوخ کر دیے جاتے اور ان کی جگہ نئے احکام نازل ہو جاتے تو عین ممکن تھا کہ لوگ اُلجھن کا شکار ہو جاتے اور ان کی سمجھ میں نہ آتا کہ کیا کریں اور یوں نئے قوانین پر بروقت اور صحیح طور پر عمل درآمد بھی نہ ہو سکتا۔ لہٰذا نئے قوانین کے نافذ ہونے کا عقلی اور منطقی طریقہ یہی تھا کہ

وہ بتدریج نازل ہوں اور عام لوگ بھی ان سے آہستہ آہستہ مانوس ہو جائیں۔

آج اگرچہ مغربی ممالک میں علم وٹیکنالوجی دورہ جاہلیت کے جزیرۃ العرب کے مقابلے میں زیادہ ترقی کر چکی ہے اور ہر چند کہ باہمی روابط اور تبادلِ افکار کے ذرائع جیسے اخبارات، جرائد، کتابیں، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور ٹیلی فون وغیرہ سب جگہ پھیلے ہوئے ہیں لیکن پھر بھی کوئی حکومت خواہ کتنی ہی ترقی یافتہ کیوں نہ ہو صرف ایک یا دو دن میں بیسیوں قوانین لاگو نہیں کر سکتی اور نہ ہی ان پر عملدرآمد کروا سکتی ہے اور اگر ایسا کرے بھی تو عوام کا دماغ اور ان کے اعصاب مختل ہو جائیں گے، زندگی کی ڈوران کے ہاتھوں سے چھوٹ جائے گی، معاشرے میں افراتفری پھیل جائے گی اور نت نئی مشکلات جنم لینا شروع کر دیں گی۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت محمد ﷺ کی رسالت اور بعثت کے بعد پرانے احکام جب تک منسوخ نہ ہو جاتے تو ان پر عملدرآمد باقی رہتا اور ان میں سے ایک بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کے احکام تھے جو ابھی تک اپنی جگہ برقرار تھے کیونکہ اللہ نے انہیں کالعدم قرار نہیں دیا تھا۔ لہٰذا اسی بنا پر اور آپ ﷺ کی طرف سے گزشتہ قوانین کی رعایت کرنے کے سبب بھی یہودیوں کے دلوں میں یہ غلط فہمی پیدا ہوگئی کہ شاید آپ ﷺ ان کے دین میں داخل ہو جائیں گے۔ وہ لوگ کہتے تھے: ''یا محمد (ﷺ) تم پیغمبر نہیں کیونکہ ہم میں سے نہیں ہو۔ سارے انبیاء ہماری قوم سے اُٹھے تھے اور ہو سکتا ہے تم بھی ایک دن پیغمبر بن جاؤ لیکن ہماری قوم میں شامل ہوئے بغیر ایسا نہیں ہو سکتا۔ تمہاری قسمت میں نبی بننا صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے دین کو قبول کر لو''! (وضاحت:۔ حضرت محمد ﷺ نے یہودیوں کو جو جواب دیے تھے ان کا ذکر گزشتہ باب میں ہو چکا ہے۔ خلیل)

اس سے پہلے کہ مسلمانوں کا قبلہ تبدیل ہو قرآن کی دوسری سورۃ کی یہ آیت نازل ہوئی جس کا مفہوم درج ذیل ہے:

''مشرق اور مغرب اللہ کے ہیں اور تم جس طرف بھی نظر دوڑاؤ تو اللہ کے مظاہر دیکھ سکتے ہو۔''

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ قوم یہود مسلمانوں کے ساتھ مصالحت آمیز رویہ اپنانے پر

آمادہ نہیں تو اللہ نے قرآن کی دوسری سورۃ ''بقرہ'' کی آیات نمبر -142-144-148-149 اور 150 میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ نماز پڑھتے وقت اپنا رخ کعبہ کی طرف موڑ لیں اور آج کے بعد اپنا قبلہ سمجھیں۔ سورۃ البقرہ کی 142 ویں آیت میں آیا ہے:

یعنی سفیہ (نادان یہودی) کہتے ہیں کیا ہوا کہ جس قبلے کی طرف تم نماز پڑھتے تھے اسے بدل دیا۔ (اے پیغمبر) ان سے کہو کہ مشرق اور مغرب اللہ کے ہیں اور اللہ جس کو بھی چاہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے (یعنی جو راستہ اللہ دکھائے اس کے بندوں کو اسی راستے پر چلنا چاہئے)۔

کچھ اسلامی عرفاء نے انہی آیات کے پیش نظر کہ جن میں منزلت کے لحاظ سے مشرق اور مغرب میں کوئی فرق نہیں سمجھا گیا یہ نتیجہ نکالا ہے کہ سب جگہ اللہ کی نظر میں ایک ہی ہے۔ لہٰذا اسلامی عرفاء صوفیا نے اپنے کلام میں انہی آیات سے الہام لیا ہے اور ان کے نزدیک دیر و حرم، کعبہ و بت خانہ اور صومعہ و میخانہ ایسے مقام ہیں جہاں اللہ کی تلاش کی جاتی ہے۔

لیکن اس نکتے کا ذکر ضروری ہے کہ ہر چند اللہ کی نظر میں مشرق و مغرب ایک ہی ہیں لیکن جب اللہ اپنے بندوں کو حکم دے اور ان سے کہے کہ سوئے کعبہ نماز ادا کریں تو کوئی یہ بہانہ بنا کر اس کی حکم عدولی نہیں کر سکتا کہ مشرق و مغرب اللہ کی نظر میں ایک ہی ہیں۔

اسلامی تاریخ میں قبلے کا رخ بدلنے کا حکم انتہائی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس طرح اُمت مسلمان یہودی اور عیسائی اقوام سے جدا ہو کر اپنا علیحدہ تشخص پانے میں کامیاب ہوگئی اور دین اسلام مذکورہ دونوں ادیان خاص طور پر یہود سے مکمل طور پر جدا ہو گیا۔

اسلام وہ دین تھا جو ایسے پیغمبر پر نازل ہوا جن کا سلسلۂ نسب ابراہیم علیہ السلام سے جا ملتا ہے اور کعبہ بھی وہی مکان ہے جس کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رکھی تھی لہٰذا جب اللہ نے یہ امر کیا کہ مسلمان اپنا رخ خانہ کعبہ کی طرف پھیر کر نماز ادا کریں تو اس کا مطلب یہ تھا کہ آج کے بعد اسلام یہودیوں یا مسیحیوں کے دین سے وابستہ نہیں اور خود ایک مکمل اور مستقل دین کی حیثیت رکھتا ہے۔

مغربی استعماری صلیبی قوتیں
اور اُمت مسلمہ

ابو فیصل محمد منظور انور
نمائندہ روزنامہ 'خبریں' جھنگ

ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی کے واقعہ کے بعد عالمی سطح پر ایک صلیبی جنگ جاری ہے۔ خاص طور پر مسلمان ممالک زیر عتاب ہیں اور مسلمان شدید مشکلات سے دوچار ہیں خوف و ہراس اور غیر یقینی کی صورت حال نے تمام اخلاقی قدروں کو تبدیل کر کے رکھ دیا ہے امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے دہشت گردی کے خلاف جنگ کے نام پر تمام قانونی اور اخلاقی تقاضے نظر انداز کر کے ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' کے مصداق خصوصاً مظلوم مسلمانوں کو آگے لگا رکھا ہے کوئی نہیں جانتا کہ ظلم و بربریت کا یہ طوفان کہاں جا کر تھمے گا۔ بدقسمتی کی انتہا ہے کہ مسلمان ممالک جن مسائل کا شکار ہیں ان کا مقابلہ کرنے کے لیے کوئی منصوبہ بندی نہیں کی جا رہی جس کی وجہ سے مشکلات دن بدن بڑھتی جا رہی ہیں۔ مسلمان ملک باہمی اتحاد و اتفاق اور کسی مشترکہ جدوجہد بارے بالکل خاموش ہیں اوآئی سی اب اوہ۔آئی۔سی بن چکی ہے اور اس کے رکن ممالک اغیار کی سازشوں کا شکار ہو کر اپنے منہ ریت میں دبائے بیٹھے ہیں اور وہ کوئی متفقہ رائے قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ اس وقت سب خاموش ہیں اور سوچ رہے ہیں کہ شاید کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرنے سے یہ بلا ٹل جائے گی۔ ہر ایک نے ننگی جارحیت کے مرتکب ممالک اور ان کے اتحادیوں کے سامنے سر تسلیم خم کر رکھا ہے بلکہ کئی ایک نے تو اتحادیوں کا ساتھ دیتے ہوئے کفر کی طاقتوں کے خلاف صف آراء مجاہدین کو ختم کرنے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ عدم تحفظ کا شکار

اُمت مسلمہ کا نوجوان بے چین ہے اس کی رہنمائی کون کرے۔ پورے مسلمان اس وقت کسی مسیحا کے انتظار میں ہیں۔ مسلمان ممالک سے ہر سال لاکھوں کی تعداد میں طلبہ اعلیٰ تعلیم کے لیے مغربی ممالک اور خصوصاً امریکہ اور برطانیہ جاتے تھے اب صورت حال بدل چکی ہے مسلمانوں کے خلاف زہریلا پراپیگنڈا کر کے انہیں انتہا پسند اور دہشت گرد کے روپ میں پیش کر کے بدنام کیا جارہا ہے اور اس طرح غیر ممالک میں اعلیٰ تعلیم کے خواہش مند طلبا کا راستہ روک کر انہیں اعلیٰ تعلیم سے محروم کرنے کی سازش کی جارہی ہے۔ صرف مڈل ایسٹ سے ہر سال ہزاروں نوجوان اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ جاتے تھے مگر اب ان طلباء کی تعداد میں 50 فیصد تک کمی ہو چکی ہے حصولِ تعلیم کے شوق کے باوجود اب مسلمان ممالک کے نوجوان امریکہ جانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

اس وقت مسلم ممالک اور خاص طور پر عرب ممالک میں پاکستان کے تعلیمی انفراسٹرکچر کو متعارف کرانے کی اشد ضرورت ہے اس سے مسلمان نوجوانوں کو ایک دوسرے کے قریب آنے میں مدد ملے گی اور ایک دوسرے کے مسائل سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔ عرب ممالک میں پاکستانی افرادی قوت نے گزشتہ برسوں میں اہم کردار ادا کیا ہے مگر آج صورت حال بدل رہی ہے اور ہمارے عرب بھائی پاکستانی افرادی قوت کی بجائے دوسرے پڑوسی ممالک کو ترجیح دے رہے ہیں ہمیں سوچنا ہے کہ اُمت مسلمہ کے وسائل پر اغیار گلچھرے اڑائیں اور ہمارے جوتے ہمارے سر پر ماریں عرب ممالک اور دیگر مسلم ممالک کے وسائل پر قابض استعماری قوتیں ہمیں پوری طرح بے دست و پا کر کے صفحہ ہستی سے مٹانے کے درپے ہیں۔

افسوس کا مقام ہے کہ چودہ پندرہ سال گزر چکے عراق اور افغانستان تباہ ہو چکے مقبوضہ کشمیر و فلسطین کے مظلوم مسلمانوں کی حالت زار پر انصاف پسند عالمی برادری سراپا احتجاج ہے مگر اسلام دشمن طاقتیں حریت پسندوں کو دہشت گرد ثابت کرنے کے لیے جھوٹے پروپیگنڈہ میں مصروف ہیں ان علاقوں کی عوام عالمی ضمیر کو جھنجھوڑنے کی اپنی بساط بھر کوششیں کر رہے ہیں مگر اقوام متحدہ میں موجود طاقتور بالادست قوتیں خاموش تماشائی بن کر مظلومیت کی بے بسی کا مذاق اڑا رہی ہیں سازش کے تحت شام اور عراق میں خانہ جنگی کروائی جارہی ہے ایران، لیبیا، الجزائر، اور مصر میں برسر اقتدار حکومتیں امریکہ اور یورپی ممالک کو ایک آنکھ نہیں بھاتی مصر میں حالیہ فوجی انقلاب اسلام

پسند جمہوری قوتوں کو نا صرف راستے سے ہٹانے کا آغاز ہے بلکہ یہ راسخ العقیدہ مسلمانوں کو زندہ دفن کرنے کی بھونڈی کوشش ہے جو کسی بھی طرح قبول نہیں ہے اب استعماری قوتوں کا دوغلی پالیسی کا چہرہ بے نقاب ہو چکا ہے یہ امت مسلمہ کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں مگر افسوس کہ او آئی سی خواب غفلت کا شکار ہو کر نیند کی گولیاں کھا کر میٹھی نیند کے مزے لے رہی ہے شام سمیت کئی مسلم ممالک میں امت مسلمہ کا اپنے ہی ہاتھوں خون بہایا جا رہا ہے نوجوان نسل اور سنجیدہ حلقے اس پر خون کے آنسو بہاتے ہیں مگر کوئی راہ روئے منزل کوئی رہنما نظر ہی نہیں آتا جو منزل کی نشاندہی کرے مقدس مقامات کی بے حرمتی پر بھی ہم خاموش تماشائی بنے بیٹھے ہیں یہ بے حسی کیا رنگ لائے گی اور کب تک ہم کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے بیٹھے رہیں گے مسلم ممالک کی قیادت بدترین غفلت کا شکار ہو کر جرم عظیم کی مرتکب ہو رہی ہے نوجوان، عام مسلمان مایوس اور مضطرب ہیں مگر حکمران ہوس اقتدار میں مست اغیار کے تلوے چاٹنے پر لگے ہوئے ہیں ہم کہاں کھڑے ہیں نوجوان نسل کا مستقبل کیا ہے ذرا سوچئے اور اپنے آپ کو مستقبل قریب میں پیش آنے والی شدید مشکلات سے نبرآزما ہونے کیلئے تیار کیجئے ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔اس نوشتہ دیوار کو پڑھنے کی ضرورت ہے۔ورنہ ع تمہاری داستان تک نہ ہوگی داستانوں میں

عالمی قوتوں کے نرغے میں جکڑا پاکستان.....!!!

مولانا قاری شبیر احمد عثمانی

مدیر ماہنامہ ''صدائے ختم نبوت'' ونائب امیر انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ پاکستان

حکومت اور ملک کے مقتدر حلقوں کو چاہیے کہ وطن عزیز کو اندرونی و بیرونی چیلنجز اور دہشت گردی سے نکالنے کے لیے مشترکہ حکمت عملی وضع کریں اور وطن عزیز کو عالمی دہشت گردی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے امریکا کا فرنٹ لائن اتحادی ہونے کا اعزاز سر سے اُتار پھینکنا چاہیے اس ذلت ورسوائی کے اعزاز کی وجہ سے ملک کو نا قابل تلافی نقصان اٹھانا پڑا اور نہ ختم ہونے والی دہشت گردی کی لپیٹ میں ہے قتل وغارت، خودکش بمبار، بم دھماکے، لاقانونیت، بیروزگاری، ڈکیتیاں، خودکشیاں، مہنگائی، بدامنی، فرقہ واریت جیسی لعنت سے ہر محبّ وطن نہ صرف پریشان بلکہ ڈپریشن کا شکار ہے۔صرف عوام اور علماء ہی نہیں بلکہ پاک فوج، سیکورٹی فورسز، پولیس، وکلاء، جج صاحبان، صحافی سمیت کوئی بھی شخص محفوظ نہیں۔ ان حالات میں حکومت کو دوٹوک واضح پالیسی کا اعلان کرنا ہوگا۔سب سے پہلے امریکی غلامی سے آزادی اور ڈرون حملوں کو رکوانا یا پھر ان کو مار گرائے جانے کا اعلان، مہنگائی کا خاتمہ۔ان شاءاللہ ان اقدامات کی وجہ سے پاکستان سے 80% دہشت گردی خود بخود ختم ہو جائے گی چونکہ دہشت گردی کی اصل وجہ اور بنیاد امریکی پالیسیاں اور غلامی ہے اور ڈرون حملوں کی وجہ سے ملک میں انتشار و بدامنی، لاقانونیت کی فضا پیدا ہو چکی ہے۔اسی طرح دہشت گردی کی لہر ختم کرنے کے لیے وزیراعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف کی طرف سے بلائی جانے والی اے پی سی میں متفقہ اعلامیہ کے مطابق تحریک

طالبان سے مذاکرات کیے جائیں اور اس سے قبل خوشگوار ماحول پیدا کرنے کے لیے فریقین طاقت کا استعمال روک دیں اور پرامن حالات پیدا کر کے خوشگوار ماحول میں مذاکرات کریں جس سے یقیناً وطن عزیز میں سو فیصد بدامنی، دہشت گردی، لاقانونیت، خودکش بمبار حملے، قتل وغارت گری رک جائے گی یہی خواہش حکومت عوام اور بالخصوص علماء کرام کی ہے، حکومت کو سنجیدگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے امریکی مفادات کو پس پشت ڈال کر جمعیۃ علماء اسلام کے مرکزی رہنماؤں مولانا سمیع الحق، مولانا فضل الرحمٰن اور شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، جماعت اسلامی کے امیر سیّد منور حسن سمیت دیگر حضرات کے توسط سے مذاکرات کا آغاز کر دینا چاہیے ان مذاکرات کے لیے سازگار ماحول پیدا کرنے کے بعد ہمارے مندرجہ بالا اکابرین جو مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں وہ امریکہ یا کوئی اور نہیں کر سکتے۔ چونکہ تحریک طالبان پاکستان میں اکثر ہمارے ان اکابرین کے شاگرد اور عقیدت مند ہیں جب حکومت سنجیدگی کا مظاہرہ کر کے مذاکرات کا آغاز کرے گی تو ان شاء اللہ غیبی مدد شامل ہو جائے گی۔ اور وطن عزیز نہ ختم ہونے والی دہشت گردی کی لعنت سے چھٹکارا حاصل کر سکتا ہے۔ علاوہ ازیں ملک میں امن واستحکام پیدا کرنے کے لیے تمام مکاتب فکر کے علماء کرام ومشائخ عظام کو بھی اپنا اپنا کردار وطن عزیز کے عظیم تر مفاد کے لیے ادا کرنا چاہیے۔

مذاہب اور مکاتب فکر کے درمیان جاری کشیدگی کو بھی باہمی اتحاد و یگانگت، محبت و اخوت اور رواداری کے ذریعہ ہی ختم کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے تمام مکاتب فکر کے رہنماؤں کو چاہیے کہ وہ باہمی متحد ہو کر اندرونی و بیرونی سازشوں اور دہشت گردی سمیت مذہبی ولسانی منافرت سے نجات حاصل کرنے کے لیے کوششیں کریں۔ اسی طرح تمام مسالک کے اکابرین کی معاونت ورہنمائی سے اہانت رسول ﷺ، اہانت صحابہ کرام واہل بیت رضی اللہ عنہم، اہانت قرآن مجید اور فرقہ وارانہ زہریلے لٹریچر پر پابندی اور فرقہ واریت کے خاتمہ کے لیے جامع حکمت عملی اور باضابطہ قانون سازی کی ضرورت ہے۔ تاکہ نفرتوں کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاتمہ کیا جاسکے۔ ہم بارگاہ خداوندی میں دعا گو ہیں کہ حکومت طالبان میں کامیاب مذاکرات ہوں تاکہ وطن عزیز میں امن واستحکام پیدا ہو، اللہ رب العزت اس کو امن کا گہوارہ بنائے۔ (آمین)

(بشکریہ ماہنامہ ''صدائے ختم نبوت'' چناب نگر، فروری 2014ء)

یورپ جاگ اُٹھتا ہے

انجینئر مختار فاروقی

اس موضوع پر گفتگو کا پہلا حصہ اس تذکرے کے ساتھ مکمل ہوگیا کہ مسلمانوں کو فتح مکہ (630ء) کے بعد مشرقِ وسطیٰ، شمالی افریقہ، مغربی یورپ، ترکستان، ایران، افغانستان، روسی ترکستان اور جنوبی ہند میں جو 'تمکّن' ملا اور اقتدار ہاتھ آیا تو مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام (قرآنِ مجید) اور اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ (جو حضرت ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام، یوسف علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، داؤد علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام وغیرھم کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک کے تمام پیغمبروں کی تعلیمات کے امین، وارث، مہیمن اور گواہ، آخری اور مکمل نبی بنا کر قرآن مجید کے ساتھ بھیجے گئے تھے) کے ارشادات و رہنمائی کی روشنی میں جس پاکیزہ تہذیب کو جنم دیا اس نے اگلی آٹھ صدیاں تمام متمدّن دنیا پر امن و آشتی، سکون، عدل و انصاف اور اقتصادی خوش حالی کے ساتھ حکمرانی کی ہے۔ یہ دور ہند میں تہذیبی، اخلاقی، مذہبی اور فکری گراوٹ کا دور تھا جبکہ مسیحی یورپ اور روسی ترکستان میں بسنے والے لوگ خود اس دور کو 'دورِ جاہلیت' (DARK AGES) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

اس عرصے میں مسلمانوں نے یونان، ہند، چین اور فارس سے علوم کو اکٹھا کیا ــــــــ قرآن مجید کے حکم کے مطابق کائنات پر غور و فکر کر کے ان علوم کو زمین سے آسمان تک پہنچا دیا۔ مسلمانوں کے زوال کے ساتھ یہ سارا علمی سرمایہ اندلس (سپین) کے مسلم علمی مراکز کے ذریعے

یورپ کو منتقل ہو گیا۔

اس علمی خزانہ میں سائنسی علوم از قسم فلکیات، طبیعیات، کیمیا، علم الاشیاء، زراعت کا علم، معدنیات اور زمین کا علم، ریاضی، جغرافیہ کے علاوہ عمرانی علوم میں شہری انتظام، شہروں کی صفائی، سڑکیں، تالاب، تعلیم اور ہسپتال کے اُصولِ حکمرانی میں حکمرانوں کی اخلاقیات، عدلیہ، انصاف، نیز عسکری میدان میں فتوحات، رعایا کے حقوق، ذِمیوں کے حقوق وغیرہ کے معاملات کے باب میں اعتدال اور احترامِ انسانیت کے جذبات میں گندھا ہوا ایک ایسا مثالی معاشرہ چھوڑا جو انسان کی دنیاوی زندگی کے علاوہ اُخروی زندگی کی بھی کامیابی کی ضمانت دیتا تھا۔

اس حقیقت کا اعتراف اس دور کے یورپی دنیا کے اہل علم و دانش ور حضرات بھی کرتے ہیں اور خود اہل یورپ کے مؤرّخ اور علماء بھی تسلیم کرتے ہیں۔

تاہم ـــــ علمی اور عملی رہنمائی کے اس بے پناہ 'خزانہ' کو یورپ کے باسیوں نے کس طرح دیکھا۔ اس کے ساتھ کیا سلوک رکھا اور اس کو آگے بڑھانے کے لئے کیا اقدامات کیے ـــــ ان کا تذکرہ اب اگلے حصے یعنی حصہ دوم میں آ رہا ہے۔ واللّٰہُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُسْتَعَان

حصہ دوم

مغربی یورپ کے ایک بڑے حصے پر آٹھ صدیوں تک چھائے رہنے کے بعد مسلم اقتدار یورپ کے لئے بہت سارا علمی، ثقافتی، اخلاقی، تہذیبی اور تمدنی سرمایہ چھوڑ کر 1492ء میں ختم ہو گیا۔ یورپ نے مسلمانوں کے اس ورثہ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ یہ موضوع ایک طویل گفتگو کا متقاضی ہے۔

آیئے اس موضوع پر گفتگو کرنے کے لئے اپنے سامنے موضوع کے مختلف پہلوؤں کو معیّن کر لیتے ہیں اور اسی ترتیب سے ان پر تفصیلات درج کریں گے تاکہ ہم بے مقصدیت اور خلط مبحث کی پریشانی سے بچ سکیں۔

اس موضوع پر گفتگو کا خاکہ یہ ہے:

1. یورپ کا جغرافیائی اور تاریخی پس منظر 600 ق م تک
2. یورپ کا نظریاتی پس منظر

(i) سائبیرین حملہ آوروں کا دور

(ii) یونان کی حکومت نظریات اور تہذیب

(iii) رومی حکمران ــــ نظریات وتہذیب (I)

(iv) عیسائیت کا فروغ اور یورپ

(v) رومی حکمران ــــ نظریات اور تہذیب (II)

(vi) رومی حکمران ــــ پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ خلافت راشدہ کے دور میں (III)

3. یورپ اور عالم اسلام آمنے سامنے ــــــ صلیبی جنگیں

4. یورپ ــــــ اور فتح قسطنطنیہ

5. مسیحی یورپ اور یہود

6. یورپ کا عالمی غلبہ ــــــ یونانی نظریات اور رومی طرزِ حکومت کے ساتھ

7. یورپ کی 600ء سے 1600ء تک کے ایک ہزار سالہ علمی، فکری، تہذیبی سرمایہ سے اعلانِ لاتعلقی ــــــ مذہب دشمنی اور خدا بیزاری کا اعلان

8. نیو ورلڈ آڈر کے زیر سایہ مغربی (یورپی) نظریات اور تہذیب کا فروغ
سیکولرازم (بے حیائی، اخلاق دشمنی) ــــــ تہذیبوں کا تصادم ــــــ اینڈ آف ہسٹری

9. ہر کمالے راز وال ــــــ چھ صدیوں بعد مغربی تہذیب کا خاتمہ

مغربی تہذیب نے اپنے ہر نظریے کارل مارکس کے نظریات، ڈارون کے نظریات، وطن پرستی، جمہوریت، آزادی وغیرہ کی خود نفی کر دی۔

یورپ کا جغرافیائی اور تاریخی پس منظر

(آغاز سے 600ق م تک)

01. براعظم یورپ کا علاقہ عرض *33 (جبرالٹر/جبل الطارق) سے اُوپر *80 (سائبیریا کے شمالی علاقہ جات) تک واقع ہے۔ اس کا زیادہ تر حصہ سرد اور برفانی ہے۔ اس کے شمالی علاقہ

جات میں دن رات کا نظام عام متمدن علاقوں (مشرق وسطیٰ، شمالی افریقہ اور جنوبی ایشیا وغیرہ) سے مختلف ہے۔ سائبیریا کا علاقہ حد درجہ برفانی ہے۔

02. براعظم جنوبی امریکہ، شمالی امریکہ اور افریقہ کی تقسیم تو قدرے قدرتی نظر آتی ہے مگر ایشیا اور یورپ زمینی طور پر ملحقہ علاقے ہونے کے باوجود دو مختلف براعظم، براعظم ایشیا اور براعظم یورپ کہلاتے ہیں۔ یہ تقسیم کس نے کی ہے؟ اور اس کے پیچھے کیا مقاصد تھے؟ یہ زیادہ واضح نہیں ہے مگر یہ تقسیم ہے کسی سازشی ذہن کی پیداوار (BRIAN CHILD)۔ ستم ظریفی ہے کہ ترکی ملک آدھا یورپ میں ہے اور آدھا ایشیا میں درمیان میں صرف چند میل سمندر ہے۔ جبکہ مشرقی یورپ زمینی طور پر مسلسل علاقہ ہے مگر روس کا علاقہ یورپ میں شامل ہے۔

موجودہ ملک ایران کا صدر مقام تہران ہے اس کے شمال میں چار سو میل (600 کلومیٹر) پر ایشیا ختم ہو جاتا ہے اُوپر جارجیا کی ریاست براعظم یورپ کا حصہ ہے۔ بحیرۂ اخضر اور بحرہ اسود کو شمالاً جنوباً کاٹ کر درمیان سے ایشیا اور یورپ کی تقسیم قائم رکھی گئی ہے۔ (اسی جارجیا ریاست اور کوۂ قاف کے علاقہ میں سدّ ذوالقرنین واقع ہے جس کے شمال میں روسی علاقہ جات ہیں جنہیں قرآن مجید نے یاجوج ماجوج کہا ہے۔) روس کو یورپ کا حصہ قرار دینا ــــــ بلاشبہ ایک بڑے سازشی منصوبہ کا حصہ اور یقیناً کسی بڑے مؤثر گروہ کے مفادات کے تحفظ کے ضمامت کی نشانی ہے۔

03. تاریخ انسانی کی طویل سرگزشت بتاتی ہے کہ سائبیریا کے برفانی علاقے سے بالعموم چند صدیوں کے وقفے سے بہت بڑے بڑے انسانی گروہ یورپ، مشرقِ وسطیٰ، ایران، ہند، عرب اور شمالی افریقہ وغیرہ کے گرم علاقوں میں آتے رہے ہیں۔ یہ انسانی گروہ چونکہ جاہل غیر مہذّب اور ہدایت سے نابلد ہوتے تھے لہٰذا شروع شروع میں لوٹ مار کرتے، قتل و غارت کا بازار گرم کرتے اور بالآخر یہیں گرم علاقوں میں آباد ہو جاتے ایک دو صدی بعد یہیں کے ہو کر رہ جاتے ہیں۔ شروع میں شاید اپنے آبائی علاقوں سے رابطہ رکھتے ہوں مگر وقت وقت کے ساتھ یہ رابطے کٹ جاتے تھے۔ یہ قبائل یہاں آ کر انسانیت سیکھتے، شہری اُصول، مل جل کر رہنے کا ڈھنگ سیکھتے، تہذیبی و ثقافتی ناگزیر تقاضوں کے عادی بن جاتے ہیں۔ مشہور پیغمبر بھی انہیں علاقوں میں

آئے تا کہ ان کی تعلیمات کو سمجھنے اور ہضم کرنے کے لئے جس انسانی سیرت و کردار کی ضرورت ہے وہ میسر آ سکے۔ جب یہ لوگ اپنے علاقوں سے آتے تھے تو وہ خود بھی اور ان کی اولادیں بھی بڑے جفاکش، محنتی اور وحشیانہ حد تک جنگجو ہوتے تھے مگر آہستہ آہستہ شہری زندگی کی عادت اور تہذیب و تمدنی ضرورتوں کے علاوہ آرام پرستی کی وجہ سے جسمانی قویٰ کی کمزوری بھی ان کو بزدل بنا دیتی تھی تا آنکہ ـــــ اسی سائبیریا سے ایک نیا تازہ دم انسانی ریلا پھر انہیں ممالک میں داخل ہو جاتا جس کے ذریعے بڑی تباہی آ جاتی۔

منگولیا، چین اور سائبیریا سے متمدن دنیا کے علاقوں میں داخلے کے لئے ایک راستہ نیپال کے پاس ہے دوسرا پاکستان کے شمالی علاقوں میں شاہراہِ ریشم ہے یا آذربائیجان کے پاس (وہ مقام جہاں بعد میں سدّ ذوالقرنین تعمیر ہوئی) وہ درّہ ہے جہاں سے انسانی قوت کے یہ ریلے آتے رہے۔ حضرت نوح علیہ السلام (6500 ق م) کے بعد ایک قوم آئی اور علاقے میں چھا گئی پھر حضرت ہود علیہ السلام آئے۔ پھر چند صدیوں بعد ایک دوسرا بڑا ریلا آیا جو عراق، اُردن، فلسطین کے علاقوں تک پھیل گیا اور صدیوں غالب رہا تا آنکہ حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے اور اصلاحِ احوال کی ناکامی کے بعد یہ پیٹرا کی تہذیب بھی تباہ ہوگئی۔

پھر وہ ریلا آیا جس کے نتیجے میں نمرود بادشاہ علاقے میں اُبھرے اور قریباً ایک ہزار سال چھائے رہے انہی کی ایک شاخ اُردن سے شمال کے علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی جہاں حضرت لوط علیہ السلام مبعوث ہوئے اور قوم کے انکار پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آ گیا۔ قومِ شعیب علیہ السلام بھی اسی علاقے میں تھی۔

پھر ایک دور ایسا آیا کہ شمال سے آنے والے لوگ سائبیریا سے چین ہوتے ہوتے ایران، افغانستان اور ہندوستان آ گئے، یہ لوگ آریہ کہلائے۔ ایران، آئرلینڈ اور آریہ کے الفاظ میں مشترک حصہ اسی قوم کی باقیات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد ایک دور آیا کہ شمالی افریقہ سے لوگ اُٹھے اور مشرقِ وسطیٰ، شمالی افریقہ اور یورپ کے جنوبی اور مشرقی علاقوں تک چھا گئے یہ فراعنہ مصر تھے ایک کتاب "WHEN BLACKS RULED THE WORLD" میں اس دور کے حالات ہیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام 1300 ق م میں تشریف لائے اس کے

حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا دورِ مبارک آیا اور آسمانی بادشاہت کی ٹھنڈی چھاؤں تلے ایران، عراق، ترکی، مشرقِ وسطیٰ، شمالی افریقہ اور عرب کے علاقے کے لوگوں نے پرامن اور خوشحال دور دیکھا۔ پہلے صرف سائبیریا کے لوگ آتے تھے اور یوں ان کے رابطے ساری دنیا میں رہتے تھے اور یہی لوگ اپنے روابط کے ذریعے عالمی سطح کی تجارت کرتے تھے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کے مصر میں اقتدار کے ذریعے بنی اسرائیل بھی اس عالمی تجارت میں داخل ہوئے اس لئے کہ مشرقِ ومغرب کے مابین تجارت اور شمال جنوب کے درمیان آمدورفت کا مقامِ اتصال (COMMERCIAL HUB) یہی خلیج عقبہ، سویز، اسکندریہ اور بحیرۂ قلزم رہا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں افغانستان اور ایران وغیرہ میں آسمانی بادشاہت کے خوشگوار اثرات چلے آرہے تھے۔ جب بنی اسرائیل کی شرارتوں کی وجہ سے بخت نصر نے 567 ق م کے لگ بھگ یروشلم تباہ کر دیا اور بنی اسرائیل کو قیدی بنا کر لے گیا تو یہ ایران، افغانستان، عراق کے علاقوں میں پھیل گئے جہاں ڈیڑھ صدی بعد رہائی ملی تو پھر بھی سب لوگ (بنی اسرائیل) واپس یروشلم نہیں آئے بلکہ اکثر وہیں آباد (SETTLE) ہو گئے۔

انہیں اثرات کی وجہ سے ایران اور آس پاس کے علاقوں میں ایک خدا ترس بادشاہ سائرس تھا جس نے بعد میں آذربائیجان کے شمالی علاقہ میں آج کی ریاست جارجیا کے پہاڑی علاقہ (جو بحیرۂ خضر اور بحر اسود کے درمیان واقع ہے) میں پہاڑی راستہ پر 'سدّ ذوالقرنین' تعمیر کر کے شمالی علاقوں سے حملہ آوروں کا راستہ روک دیا۔ اس کے نتیجے میں سائبیریا سے آنے والے لوگ اب یہیں جمع ہوتے رہے یہی روس کا علاقہ ہے اور بالآخر مغرب کی طرف پھیلتے چلے گئے۔

یورپ کی ابتدائی آبادی کی بنیاد ـــــــ وہ سابقہ اقوام ہیں جو ان علاقوں میں آکر آباد ہوئیں اور 400 ق م کے بعد کے دور میں آنے والے سائبیرین بھی غیر متمدن لوگ تھے تاہم یہ لوگ تازہ دم تھے اسی لئے سویڈن، ڈنمارک، برطانیہ، آئرلینڈ، فرانس تک پھیل گئے اور بعض مہم جو لوگ آگے نکل کر گرین لینڈ سے ہوتے ہوئے کینیڈا جا کر آباد ہو گئے اور پھر میکسیکو تک چلے گئے کولمبس نے جب 1498ء میں امریکہ کی سرزمین پر قدم رکھا تو جو انسانی آبادیاں پہلے سے وہاں

تھیں وہ یہی قبائل تھے۔

سائبیریا سے یہ انسانی طاقت کے ریلے وقفے وقفے سے اور باقاعدگی سے آکر متمدن دنیا پر حملہ آور ہوئے اور پھیل گئے اسی لئے سائبیریا کو بجا طور پر 'عالمی فاتحین کا گہوارہ' کہا جاتا ہے۔ "SYBERIA--THE CRADLE OF CONQUERERS." نامی کتاب اسی موضوع پر بحث کرتی ہے۔

یورپ میں سائبیرین قبائل کی آمد اور یورپ میں آباد ہونے کے بعد ایک قوم اُٹھی۔ جو 'یونان' میں آباد تھی۔ اس قوم کے فلاسفہ اور فلسفیانہ نظریات منفرد قسم کے تھے جو انسان دشمن، مذہب بیزار اور وحی دشمن تھے۔ ان کو خاص ماحول اور مواقع مل گئے جس سے یہ نظریات کافی حد تک فروغ پا گئے۔ یونانی تہذیب ظالمانہ، انسان دشمن، بداخلاق تھی۔ تاہم بنی اسرائیل کی نااہلی کی وجہ سے اس کے اثرات بہت دور تک جا پہنچے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے اور حضرت لوط علیہ السلام و شعیب علیہ السلام تک جو سائبیرین وحشی اور غیر متمدن قبائل آکر متمدن علاقوں میں آباد ہوئے ان کی سرکشی، وحشت، بے حیائی اور حیوانی طرزِ زندگی کو لگام دینے اور تہذیب و تمدن سکھانے کے لئے وقفے وقفے سے پیغمبر (علیہ السلام) آتے رہے اور آسمانی بادشاہت اور آسمانی ہدایت کے نظریات پروان چڑھتے رہے۔

تاہم ـــــ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذاتِ گرامی ایک عظیم شخصیت تھی کہ جن پر اللہ تعالیٰ نے عظیم احسانات فرمائے۔ مکہ میں کعبہ تعمیر کرایا اور آئندہ نبوت (پیغمبری) اور آسمانی ہدایت (کتاب) انہی کی اولاد میں مختص کر دی۔ یعنی اب 'غیر ابراہیمی' لوگوں میں کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اس طرح 1800 ق م کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے باہر کوئی نبی نہیں آیا۔ (اس سے پہلے ضرور آتے تھے) گویا اب اولادِ ابراہیم ہی باقی ماندہ دنیا تک اللہ تعالیٰ کا دین اور آسمانی ہدایت پہنچائے گی۔ آسمانی ہدایت کی عالمی، تبلیغی وراثت کی یہی ذمہ داری تھی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے پیغمبر، تورات جیسی کتاب، حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام جیسی پُر امن اور عادلانہ بادشاہتوں کے نمونے دیے اور دنیاوی وسائل اور اسباب کی دنیا میں ان (بنی اسرائیل) کو حضرت یوسف علیہ السلام کے دور

سے ہی عالمی تجارت میں داخل کر کے قائدانہ کردار دے دیا تا کہ وہ چہار دانگ میں خدا شناسی، خداپرستی، انسان دوستی، آسمانی ہدایت اور وحی کے نظریات وتعلیمات کو لے کر جائیں اور عام کریں اور اسی کے تحت حکومتوں کے نمونے قائم کریں۔مگران تمام مثبت قرائن کے باوجود ـــــــ بنی اسرائیل اس ذمہ داری کو ادا کرنے سے گریز کرتے رہتے بلکہ 'خود' آسمانی ہدایت اور 'تورات پرعمل' کے راستے میں رکاوٹ بن گئے۔

آسمانی ہدایت کے اسی خلا کے دور میں کئی عظیم سلطنتیں وجود میں آئیں اور یہ بادشاہتیں کئی صدیاں قائم رہیں۔عراق کے نمارده، مصر کے فراعنہ، یونانی سلطنت اور رومی سلطنت اس کی مثالیں ہیں۔

یہ بات وضاحت طلب ہے کہ اُوپر درج کردہ 2000 ق م کے نمرودہوں یا پیٹرا تہذیب کے حکمران، 1300 ق م کے فراعنہ مصر ہوں یا رومی سلطنت، جن کا اقتدار صدیوں قائم رہا۔اس کی وجوہات کیا تھیں اور یہ بات ہر ذی شعور اور 'انسان دوست' انسان کے لئے غور طلب بھی ہے۔

اَزمنہ قدیم کی صدیوں پر محیط بادشاہتوں کا راز

عہد حاضر میں ہر تعلیم یافتہ آدمی اس حقیقت سے باخبر ہے کہ سیاسی اعتبار سے دنیا بھر میں اب جمہوری حکومتیں قائم ہیں۔مؤثر اور بااختیار بادشاہتیں بہت کم ہیں۔آج سیاسی شعور اتنا ضرور بیدار ہے کہ لوگ بادشاہت اور جمہوریت کے فرق کو سمجھنے لگے ہیں۔'بادشاہ' کا عہدہ بالعموم 'تاحیات' ہوتا ہے اور بالعموم بادشاہ مطلق العنان ہوتے ہیں اور اقتدارِ مطلق (SOUVERE IGNITY) کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ان کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ بالعموم قانون ہوتا ہے۔جبکہ جمہوری حکومتوں میں صدر یا وزیراعظم کا عہدہ ایک آئینی عہدہ ہوتا ہے اور ایک خاص مدت (TENURE) کے لئے ہوتا ہے جو چار سال یا پانچ سال کے لئے انتخابات کے ذریعے پر کیا جاتا ہے۔صدر یا وزیراعظم عوام کے سامنے جوابدہ سمجھے جاتے ہیں اور مدت ختم ہونے پر دوبارہ عوام سے مینڈیٹ (MANDATE) لینا پڑتا ہے بظاہر مختصر مدت یعنی چار یا پانچ سال کے لئے اقتدار سنبھالنا اور کام کرنا 'عارضی' سا عہدہ لگتا ہے۔اگرچہ اکثر ممالک میں بعض مقامی، داخلی اور

خارجی وجوہات کی وجہ سے یہی صدر اور وزیراعظم بھی مطلق العنان بن جاتے ہیں اور اسمبلی میں بھاری اکثریت ہو تو حکمران بدعنوانی پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔اس کے باوجود عوام کو خوش کرنے اور اپوزیشن اور مختلف مزاحمتی قوتوں (PRESSURE GROUPS) کو راضی رکھنا بعض اُوقات خاصا مشکل ہو جاتا ہے اور حکومتوں کے لئے آئینی مدت پوری کرنا دشوار ہو جاتا ہے اور اسمبلیاں توڑ کر دوبارہ الیکشن کرانا ضروری ہو جاتے ہیں۔ان حالات میں آپ تصور کریں (جیسے آج فلسطین، شام، یوکرائین، کوریا اور مصر وغیرہ کے حالات ہیں) اگر کوئی حکمران طے کر لے کہ درمیانی مدت کے انتخابات نہیں کروانے اور اپنی مدت ہر صورت میں مکمل کرنا ہے تو اس حکمران کو پولیس اور فوج کے ذریعے عوام کو دبانا پڑتا ہے۔ظالمانہ اور کالے قوانین کو بروئے کار لا کر احتجاجی سیاست کے حامیوں اور اپنے مخالفوں کو مختلف ہتھکنڈوں سے 'آہنی ہاتھ' سے نمٹنا پڑتا ہے۔ سزائیں پھانسیاں (جیسے بنگلہ دیش) قید و بند، مقدمے، جائیدادوں کی ضبطی وغیرہ کے ذریعے اپنے اقتدار کو طول دے کر آئینی مدت پوری کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔یہ بات تو صرف چار یا پانچ سال کے اقتدار کی صورت میں ہے۔

اسی بات پر قیاس کر لیں کہ بالعموم بادشاہت جمہوریت کے مقابلے میں ویسے ہی ایک ظالمانہ اور سفاکانہ نظام ہے جس میں دو تین سال میں نہ سہی اگر 30 سال میں بھی حالات خراب ہو جائیں تو 'بادشاہ' جو اکثر مطلق العنان اور 'خدائی' کے دعویدار بن جاتے تھے اور آج بھی ہوتے ہیں' اپنے اقتدار کو ڈولتا دیکھ کر اپنے ہی عوام اور محکوموں پر کتنے مظالم ڈھاتے ہیں۔(عصر حاضر میں شہنشاہ ایران، لیبیا کے معمر قذافی، عراق کے صدام حسین وغیرہ اسی کی مثالیں ہیں)

اب ماضی میں آپ سوچیں ـــــ نمرود باشاہوں نے ایک ہزار سال حکومت کی۔ فراعنہ مصر نے چھ صدیاں حکومت کی۔رومی سلطنت ایک ہزار سال سے زائد عرصہ قائم رہی۔ان حالات میں اپنے اقتدار کو صدیوں تک طول دینے کے لئے واحد ممکنہ راستہ ـــــ عوام پر بے پناہ مظالم اور سفاکی کا رویہ ہے۔معمولی جرائم اور مخالفت پر سخت سزائیں ہیں۔جس کے تحت اختلاف رکھنے والے ہر آدمی کو پکڑ کر اذیتیں دینا، جیلوں میں بند کر دینا، درندوں کے آگے ڈال دینا اور قتل کرا دینا یا سولی چڑھا دینا ایک معمول کی کارروائی نظر آتی ہے۔

لہٰذا پوری دنیا میں بالعموم اور یورپ کی تاریخ میں بالخصوص یونانی اور رومی بادشاہتیں حد درجہ کی ظالم سفاک، انسان دشمن، اخلاق دشمن، خدا بیزار، وحی بیزار اور ابلیس کی آلہ کار تھیں تبھی ان سلطنتوں کو اتنا طویل زمانہ مل سکا ورنہ دنیا میں حقیقی جمہوری حکومتیں اور اظہارِ رائے کی آزادی کے ساتھ انصاف کر کے بھی کسی حکومت کا دس بیس سال قائم رہ جانا معجزے سے کم نہیں۔ پچھلی صدی میں روس میں سوشلسٹ اقتدار میں حکمرانوں کے مظالم کی داستان آج بھی لوگوں کو یاد ہے اور مدتوں یاد رہے گی۔

حاصل گفتگو یہ ہے کہ یورپ کی تاریخ کی ان دو حکومتوں کے خمیر میں ظلم، سفاکی، حیوانیت، اخلاق دشمنی اور آسمانی ہدایت سے بیزاری، کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی نظر آتی ہے اور یہی دو عنصر ہیں جو جدید دور کے یورپ کے مزاج کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ ایک یونانی فلسفہ و نظریات، اور دوسرے رومی قانون اور طرزِ حکومت۔ انہیں اصولوں کی روشنی میں موجودہ مغربی تہذیب کے سارے ادارے وجود میں آ کر آگے بڑھے ہیں اور ترقی کر کے موجود شکل اختیار کی۔

حالیہ مغربی تہذیب اور انگریزی زبان

انجینئر مختار فاروقی

1 انفرادی سطح پر انسان کی زندگی میں لڑکپن، جوانی، بھرپور طاقت وصلاحیت کی عمر اور پھر بڑھاپا اور موت کے مراحل ہمارا مشاہدہ و تجربہ ہے۔ یہ مشاہدہ ـــــ صرف مشاہدہ ہی نہیں ایک طرح سے ذاتی تجربہ اور 'تن ورتی' یعنی آپ بیتی ہے اسی طرح اجتماعی سطح پر قومیں اور تہذیبیں بھی ایک آغاز رکھتی ہیں اور انفرادی انسانی زندگی کی طرح مختلف مراحل سے گذر کر بالکل فنا ہوجاتی ہیں۔

2 انفرادی سطح پر یہ عمل طبعی (PHYSICAL) اور مادّی (MATERIAL) ہوتا ہے جبکہ قرآن مجید کے بقول قوموں اور تہذیبوں اور سلطنتوں کی سطح پر یہ عمل چند اخلاقی اُصولوں، اجتماعی بھلائی اور عدل و انصاف سے عبارت ہوتا ہے۔ سیاسیات کے اُصولوں کے مطابق قومیں اور تہذیبیں بھی ایک 'اکائی' ہوتی ہیں اور وہ بھی ایک انسان یعنی 'فرد' کی طرح مختلف مراحل سے گزرتی ہیں اور کام کرتی ہیں۔

3 اجتماعی سطح پر کسی قوم اور تہذیب کے عروج میں ایک اہم جزو اس قوم اور تہذیب یعنی اس اجتماعیت کی زبان ہوتی ہے۔ اجتماعیت اور اجتماعی سوچ میں اس قوم و تہذیب کی زبان کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ تہذیبی ترقی کے ساتھ اس کی زبان بھی ترقی کرتی ہے اور وسعت پذیری کے عمل سے گذرتی ہے۔ ترقی کے نئے مراحل اور گوشے، ایجادات، کائنات کی تسخیر اور فتوحات اس قوم کی زبان کو بھی بامِ عروج پر پہنچا دیتی ہے۔ زبان اور تہذیب کا اس قدر گہرا اور چولی دامن کا ساتھ ہے

کہ ان کو الگ نہیں کیا جا سکتا ہے مثلاً عصر حاضر میں مغربی تہذیب کا پھیلاؤ اور گیرائی کا انگریزی زبان سے جو رشتہ ہے وہ ہمارے سامنے ہے اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ مغربی تہذیب کی وجہ سے انگریزی زبان نے وسعت پائی اور ترقی کی یا یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ انگریزی زبان کی وجہ سے مغربی ممالک موجودہ عروج تک پہنچے ہیں۔

4 انگریزی زبان اور حالیہ مغربی تہذیب کے اس چولی دامن کا ساتھ ہونے (INSEPARABLE LINK) کی وجہ سے انگریزی زبان میں وقت کے ساتھ ساتھ نئے نئے الفاظ کی بناوٹ کے مراحل آئے اور زبان کے ذخیرہ الفاظ میں نئے الفاظ، نئی تراکیب، نئے محاورے اور نئی کہاوتیں شامل ہوتی چلی گئیں جس سے زبان کا دامن بہت وسیع ہو گیا۔

ہم ان سطور پر انگریزی زبان کے کچھ الفاظ کی بناوٹ اور استعمال پر گفتگو کریں گے جو ان شاءاللہ قارئین کے لئے مفید اور کارآمد ہوگی یہ موضوع "فھم اللُّغة" کہلاتا ہے۔

5 برطانیہ (UK) یا قدیم اصطلاح انگلستان یورپ کا ایک حصہ ہے اور جغرافیائی قرب اور سلطنت روم کے اقتدار کے زیر سایہ اکٹھے رہنے کی وجہ سے برطانیہ بلجیم، فرانس، پرتگال، سپین، جرمنی اور اٹلی وغیرہ کے علاقوں کی زبان بنیادی طور پر آپس میں مشابہ اور قریب ہیں پھر سب پر رومی سلطنت اور طویل ظالمانہ اقتدار کی چھاپ ہے۔ رومی لہجہ اور سلطنت خود یونانی لب ولہجہ سے متاثر تھی اور اس کے اثرات آج بھی نمایاں ہیں۔

6 مسلم سپین میں مسلم اقتدار (711ء تا 1492ء) کے عرصے میں مغربی یورپ اور برطانیہ کی زبان پر عربی اثرات آئے اور بعد آزاں مسلم ممالک کو زیر کرنے کے لئے برطانیہ اور دیگر یورپی ممالک نے کوششیں کیں اس کی وجہ سے بھی یہ زبانیں بالعموم اور انگریزی بالخصوص عربی زبان سے متاثر ہوئیں۔

عربی کے بعض الفاظ جوں کے توں انگریزی میں مستعمل ہیں۔ مثلاً زمین کے انگریزی لفظ ارتھ (EARTH) عربی لفظ 'ارض' ہی ہے۔ اسی طرح کپاس کے لئے انگریزی لفظ کاٹن (COTTON) دراصل عربی لفظ 'قُطن' ہی ہے اور اسی طرح بعض بعض فارسی کے الفاظ بھی انگریزی زبان میں استعمال ہوتے ہیں جیسے مادر بمعنی 'ماں' ہے وغیرہ۔

7 عربی زبان میں الفاظ کی بناوٹ کے اُصول بہت مسلم ہیں اور یورپی تاریخ کے حالیہ مہذب دور اور رومی سلطنت کے آغاز سے بھی پہلے کے ہیں۔ لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ انگریزی زبان میں حالیہ وسعت کے پس منظر میں عربی اُصول کارفرما ہیں۔ انہی اثرات کی وجہ سے انگریزی نے وسعت اختیار کی ہے اور نئی نئی ایجادات اور فکر و فلسفہ کی اصطلاحات کے لئے مناسب الفاظ فراہم کئے ہیں جس کے ذریعے دانشور حضرات نے اپنے مفاہیم کو پیش کر کے ابلاغ کا حق ادا کیا ہے۔

گزشتہ صدی کے دوران مشرق وسطیٰ میں برطانوی اور امریکی عمل دخل اور باہمی روابط (INTERACTION) کی وجہ سے اب عربی ـــ انگریزی زبان سے بھی متاثر ہوتی جارہی ہے۔ جو مغربی علمی سیاسی اور عسکری بالادستی کا براہ راست نتیجہ ہے۔ اسی اُصول کے تحت ـــــ مسلم سپین اور مشرقِ وسطیٰ میں مسلم اقتدار (ابتدائے اسلام سے 1258ء تک) اور بعد ازاں عثمانی سلطنت کے فتح قسطنطنیہ (1453ء) کے بعد انگلستان تک نفوذ کے اثرات کا بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔

8 ہم ان سطور پر پہلے انگریزی زبان کے اپنے الفاظ میں سابقے لاحقے کے استعمال سے وجود میں آنے والے دلچسپ الفاظ کا ذکر کر رہے ہیں۔ انگریزی زبان پر عربی زبان کے اثرات کا ذکر بعد میں کریں گے۔ ان شاءاللہ

(ا) ہر زبان میں کسی خاص لفظ کے شروع میں کچھ نئے نئے الفاظ استعمال کر کے نئے معنی پیدا کر لئے جاتے ہیں۔ جیسے اُردو میں 'مند' کے لاحقے کے ساتھ

☆ صحت مند، شوکت مند، فتح مند، عقل مند وغیرہ

☆ شرم ناک، خوف ناک، خطرناک وغیرہ

اسی طرح انگریزی کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(i) . انگریزی میں ایک لفظ "PORT" ہے جس کے معنی مخصوص راستہ یا مخصوص جگہ ہیں یہ لفظ عام تھا مگر اس کے ساتھ مختلف اضافی لفظ لگا کر بڑے خوب صورت معنی پیدا کر لئے گئے ہیں۔

☆ مثلاً SEA-PORT سمندر کے کنارے سمندر میں داخلے اور سامان وغیرہ لانے لے جانے کے لئے مخصوص جگہ۔

☆ AIR-PORT ہوائی جہاز اور ہوائی راستے سے آنے جانے اور سامان کی نقل و حرکت

کے لئے مخصوص کردہ جگہ۔

☆ DRY-PORT ملک کی SEA PORTS اور AIR PORTS کے ذریعے لائے گئے سامان کے لئے اندرون ملک مخصوص جگہ جہاں سے قریبی لوگ سامان باہر بھیج سکتے ہیں اور وصول کر سکتے ہیں۔اس کے لیے EXPORT اور IMPORT کے الفاظ بنائے گئے ہیں۔

☆ PASS-PORT وہ کاغذات جن کے ساتھ کوئی انسان کسی پورٹ سے باہر جا سکتا ہے یا آ سکتا ہے۔

☆ TRANS-PORT ایک پورٹ سے دوسرے پورٹ پر زمینی فضائی یا سمندری راستے کے ذریعے سفر کے ذرائع اور سفر۔

☆ اسی طرح DE-PORT اور RE-PORT کے الفاظ ہیں۔اسی سے PORTER بمعنی پورٹ کا مزدور ہے۔

(ii) انگریزی کا ایک صفاتی لفظ "LESS" ہے اس کے ساتھ بنے ہوئے الفاظ بہت ہیں۔

MATCHLESS	نادر عجوبہ
POWERLESS	بے اختیار مجبور
MEAT-LESS	گوشت کے ناغے والا دن
HOMELESS	بے گھر، مہاجر
PENNYLESS	مفلس، قلاش وغیرہ

(iii) اسی طرح ایک لفظ "TAIN" ہے جس کے شروع میں مختلف الفاظ کے نئے معنی پیدا کر لئے گئے ہیں۔

RETAIN	محفوظ رکھنا
DETAIN	حراست میں رکھنا
CONTAIN	مشتمل ہونا۔گھیر لینا
ENTERTAIN	خوش کرنا
MAINTAIN	برقرار رکھنا

(iv) اسی طرح بعض الفاظ کے ساتھ پہلے یا بعد میں کچھ حروف لگا کر نئے معنی پیدا کر لئے جاتے ہیں۔جیسے

☆ انگریزی لفظ GRESS کے ساتھ اضافی الفاظ لگا کر یہ الفاظ بنتے ہیں۔

AG-GRESS	جارح۔جارحیت کرنا یا زبردستی کرنا
AG-GRESSIVE	جارحانہ
CON-GRESS	جلسہ، باہم مل کر بیٹھنا
RE-GRESS	طے شدہ بات سے پھر جانا
PROGRESS	ترقی۔خاص مقصد کے ساتھ آگے بڑھنا

☆ انگریزی لفظ TRACT بمعنی کھینچنا ہے۔

TRACTION	کھچاؤ
TRACTOR	کھینچنے والا، ٹریکٹر
AT-TRACT	پرکشش ہونا۔خود اپنی طرف کھینچنا
AT-TRACTION	کشش
AT-TRACTIVE	پُرکشش
CON-TRACT	سکڑنا۔ایک مرکز کی طرف کھینچنا
CONTRACT	پکڑ کر باندھ لینا، فریقین کا آپس میں معاہدہ کرنا

☆ اسی طرح لفظ PRESS بمعنی دبانا ہے۔

DE-PRESS	افسردہ
COM-PRESS	دباؤ دینا
RE-PRESS	روکنا، منع کرنا
IM-PRESS	متاثر ہونا
EX-PRESS	وضاحت کرنا، بیان کرنا

☆ لفظ CESS سے

ACCESS	رسائی
RECESS	وقفہ
PROCESS	عمل، طرزِ عمل
EXCESS	اضافی

SUCCESS	مقصد تک رسائی
CONCESS	کمی کرنا
CONCECSION	کمی

☆ لفظ CEPT سے

CONCEPT	تصور
INTERCEPT	آڑے آنا
ACCEPT	قبول کرنا
EXCEPT	سوائے

☆ لفظ PENSE سے

SUSPENSE	تجسس، انتظار
EXPENSE	خرچ کرنا
DISPENSE	دے دینا
COMPENSATE	بدلہ دینا
PENSIVE	فکرمندی

☆ لفظ JECT سے

INJECT	داخل کرنا
REJECT	مسترد کر دینا
PROJECT	منصوبہ
DEJECT	اُداس کر دینا
EJECT	باہر نکال دینا
EJECULATE	باہر نکال دینا

☆ لفظ DICT سے

ADDICT	کسی داخلی دباؤ کے تحت کوئی کام بار بار کرنا
ADDICTION	کسی کام کو بار بار کرنا
DICTION	کسی شخص کا مخصوص انداز فیصلہ

DICTIONARY	کسی زبان کے الفاظ بتانے والی کتاب کا استعمال
DICTATE	خود فیصلہ کر کے دوسروں پر تھوپنا
DICTATOR	خود فیصلہ کر کے دوسروں پر تھوپنے والا۔آمر
DICTATION	حکم۔زبردستی مشورہ
PREDICT	کسی شخص کے طرزِ فکر اور انداز فیصلہ کے بارے میں پیش گوئی کرنا

☆ اسی طرح لفظ PACT سے

IMPACT	تصادم ہونا
COMPACT	مضبوط کرنا

☆ لفظ TEST سے

PROTEST	احتجاج۔دوسرے کو امتحان میں ڈال دینا
ATTEST	تصدیق کرنا۔جانچ پڑتال کے بعد صحیح قرار دینا
CONTEST	مقابلہ کرنا۔ایک شعبہ میں کئی لوگوں کا امتحان سے گزر کر آگے بڑھنا

☆ لفظ CEED سے

PROCEED	آگے بڑھنا
EXCEED	تجاوز کرنا
SUCCEED	کامیاب ہونا

☆ لفظ SULT سے

INSULT	بے عزتی کرنا
CONSULT	مشورہ کرنا
RESULT	نتیجہ۔کسی کے بارے میں حتمی فیصلہ

☆ لفظ PAIR سے IMPARE (IMPAIR) بگاڑنا، REPAIR توجہ اور کوشش سے کسی چیز کو پہلی حالت پر لے آنا، COMPARE دو یا زیادہ چیزوں کے باہمی تقابل سے نتیجہ نکالنا۔وغیرہ

واضح رہے کہ تمام زبانیں پہلے صرف بولی جاتی تھیں لکھنا بعد میں ایجاد ہوا اس لیے ہجے (SPELLINGS) میں فرق آ گیا ہے۔ (جاری ہے)

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ
کی مطبوعات پر
اہل علم کے تأثرات

21 اسلامی انقلابی شخصیات (مکمل)

☆ سہاہی ''حکمت قرآن'' لاہور (جنوری تا مارچ 2014ء) تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

مسلمانوں کی تاریخ مشاہیر سے مملو ہے۔ فاضل مصنف کی تاریخ پر گہری نظر ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد سے قیامِ پاکستان سے پہلے تک نامور مسلمان عبقری شخصیات میں سے مصنف نے 21 کا انتخاب اپنے ذوق کے مطابق کیا ہے۔ ہر ایک کا مختصر تعارف دیا گیا ہے اور ساتھ اُن کی قومی خدمات اور کارناموں کا تذکرہ ہے۔ ہر شخصیت خصوصی پہچان کی حامل ہے۔ اس انتخاب میں شامل وہ حضرات ہیں جنہوں نے انتہائی نامساعد حالات میں احیائے اسلام کے لئے قابل ذکر کام کیے۔ اس فہرست میں سب سے پہلی شخصیت حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہیں ''عمر ثانی'' کہا جاتا ہے۔ یہ وہ عمر ہے جس نے خلافت راشدہ کی یاد تازہ کردی۔ آخری شخصیت علامہ اقبال کی ہے جسے بجا طور پر شاعر مشرق اور حکیم الامت کہا جاتا ہے۔ مسلمان قوم کو بیدار کرنے میں اُن کی کاوش بے مثل ہے۔ پاکستان کا قیام علامہ اقبال کے خواب کی ہی تعبیر ہے، اس لئے ان کو مبشر پاکستان بھی کہا جاتا ہے۔

کتاب میں دی گئی ہر شخصیت نے اپنے عہد کے انتہائی نامساعد حالات میں ہر طرح کی حکومتی اور غیر حکومتی سختیوں اور مخالفتوں کے باوجود احیائے اسلام کے لئے شب و روز کوشش کی۔ کتاب کے تین حصے ہیں اور ہر حصے میں سات مشاہیر کا تذکرہ ہے۔ یہ کتاب قارئین کو اسلام

کی اَن تھک جدوجہد اور پُرخلوص کوششوں سے باخبر کر کے اُن میں جذبۂ عمل پیدا کرے گی، جس کی آج کی اسلامی دنیا کو شدید ضرورت ہے۔

صہیونیت، قرآن مجید کے آئینے میں

☆ ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (31 جنوری 2014ء) تبصرہ نگار: محمد سلیم چنیوٹی

معرکہ خیر وشر ہمیشہ سے ہے اور تا قیامت جاری رہے گا۔ قرآن مجید میں مَغۡضُوۡبِ عَلَیۡھِمۡ اور االضَّآلِّیۡنَ سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی آخرالزماں حضرت محمد کریم ﷺ پر نازل فرمودہ معجزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین نے قرآن کریم کے ذریعے مسلمانوں کی راہنمائی فرمائی اور اس کے ذریعے اس کے ماننے والوں کو ان کے دشمن بھی بتا دیے تا کہ وہ ان لوگوں کی شرارتوں اور ان کی ریشہ دوانیوں سے بچ بچا کر آگے بڑھتے رہے۔

زیر تبصرہ کتاب ''صہیونیت، قرآن مجید کے آئینے میں'' جناب انجینئر مختار فاروقی صاحب نے بڑی جدوجہد اور محنت سے مرتب فرمائی ہے۔ اس کتاب کو چار ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان ابواب میں صہیونیت کی حقیقت بذریعہ قرآن کریم عیاں کی گئی ہے۔ صہیونیت کے خدوخال، صہیونیت اوّل روز سے 610ء تک، صہیونیت کی قتل انبیائے کرام علیہم السلام کی روش اور انکارِ ختم نبوت، صہیونیت کا منطقی انجام وغیرہ عنوانات پر سیر حاصل مواد کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ صہیونیت ایک سوچ اور فکر ہے۔ یہ ایک ایسا اسلام دشمن گروہ ہے جو کسی وقت بھی اپنے داؤ لگانے سے پیچھے نہیں رہتا۔ شیطان اس کا راہنما اور شر اس کی پہچان رہی ہے۔ دنیا کے وسائل اور معیشت پر قبضہ اس کا خواب ہے۔ اسلام کی نورانی تعلیمات اور اس پر عمل پیرا مسلمانوں سے اسے خاص دشمنی ہے۔ تجربہ بتاتا ہے کہ جہاں بھی اسلام اور اس کے ماننے والے نمایاں ہوتے ہیں، صہیونی پنجہ استبداد وہیں آمقابل کھڑا ہوتا ہے۔ یہ معرکۂ خیر وشر ہے، جو بپا ہے۔ شیطان اپنی چال چلتا ہے اور عباد الرحمٰن اس کے مقابل اپنے اللہ کا پیغام یوں ہی پہنچاتے رہے ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب بڑی پر از معلومات کتاب ہے۔ یہود و نصاریٰ کی کامل تاریخ اور اس کے عقائد و خیالات اس میں بیان کئے گئے ہیں۔ قرآن کریم اور اس کی واضح تعلیمات بھی اس

میں شامل ہیں۔اس اہم کتاب کا مطالعہ ہر دردمند دل رکھنے والے اہل علم واہل ذوق کو کرنا چاہئے اور اپنی معلومات کے دائرے کو ضرور وسیع کرنا چاہئے۔اس گئے گزرے دور میں ایسی کتابوں کی شدید ضرورت ہے۔انجینئر مختار فاروقی صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں جنہوں نے یہ قیمتی معلومات فراہم کر کے خوانندگانِ گرامی کے لئے کتاب شائع فرمادی۔کمپیوٹر کمپوزنگ،مضبوط جلد اور نیوز کا غذ استعمال کیا گیا ہے۔

خصوصی اشاعت: الصَّلٰوۃ والسَّلامُ علٰی رسولِ اللّٰہ ﷺ

☆ **ماہنامہ ’’آبِ حیات‘‘ لاہور** (فروری 2014ء)

ماہنامہ ’’حکمت بالغہ‘‘ جھنگ سے شائع ہونے والا ایک معتدل اور مؤقر دینی رسالہ ہے جو جناب مختار فاروقی صاحب کی زیرادارت ہر ماہ شائع ہو کر اپنے قارئین کی علمی پیاس کو بجھاتا ہے۔فاروقی صاحب تقاضائے حالات کے تحت عمدہ اور بیش قیمت مضامین پیش کرتے رہتے ہیں۔موصوف نے اکتوبر 2013ء کے شمارے میں ’’الصلوٰۃ والسلام علٰی رسول اللہ ﷺ‘‘ کے عنوان پر بہت ہی خوبصورت مضامین پیش کئے ہیں۔ایک طرف عشق رسول ﷺ کے سمندر میں غوطہ زنی کی ہے تو دوسری طرف پاکستان کے معروضی حالات کو بھی سنبھالا دینے کی کوشش کی ہے۔ایک سو ساٹھ صفحات پر مشتمل اس میگزین میں درود وسلام کے حوالے سے بڑی تفصیل کے ساتھ دلائل پیش کئے گئے ہیں۔شائقین اور اہل ذوق کو اس میگزین کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔

☆ **ماہنامہ ’’عالمی ترجمان القرآن‘‘** (فروری 2014ء) تبصرہ نگار: ارشاد الرحمٰن

اس اشاعت خاص میں پانچ ابواب کے اندر ایک جذباتی مگر ایمانیاتی مسئلے کو نہایت سلیقے کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔عظمت مصطفیٰ ﷺ،عہد وفاداری،تسلیم اور اسلام،آیت صلوٰۃ وسلام کا زمانۂ نزول، زبان سے صلوٰۃ وسلام کی ادائیگی،صلوٰۃ وسلام سے متعلق امام راغب اصفہانی،ابن منظور، مرتضٰی الزبیدی اور ابن قیم ومحبّ الدین جیسے اہل لغت کی لغوی بحثوں کو درج کیا گیا ہے اُردو تفاسیر میں سے مولانا شبیر احمد عثمانی،مفتی محمد شفیع،مولانا احمد رضا خان بریلوی، پیر محمد کرم شاہ ازہری،مولانا امین احسن اصلاحی،سید ابوالاعلیٰ مودودی،حافظ صلاح الدین یوسف،سید صفدر حسین نجفی اور علامہ

حسین بخش کی تفاسیر سے اقتباس دیئے گئے ہیں۔ کتاب ''جلاء الافہام فی فضل الصلوٰۃ والسلام علیٰ محمد خیر الانام ﷺ'' میں سے درود شریف پڑھنے کے 40 محل و مقامات کا اندراج ہے۔ 'رسولِ رحمت ﷺ کی رحمت للعالمینی کی پھوار اُمت پر' کا عنوان دے کر غزوۂ احزاب کے تناظر میں فضلیت صلوٰۃ وسلام کی سورۂ احزاب کی آیت 56 کے پس منظر میں بیان کیا گیا ہے آیات 43 اور 44 کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔ نور و عظمت کو بعثت و نبوتِ انبیاء سے مربوط کر کے انسانی و حیوانی فرق و امتیاز کا تذکرہ، کتب سماوی کے مشترکہ خاصے کے طور پر نور کا بیان، اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت کا مظہر، طہارت و تطہیر، نور اور پاکیزگی، نورِ ہدایت اور نورِ قرآن، دُعائے نور اور سیدنا محمد ﷺ اور سلام و تسلیم کا مطالبہ اور منافقین کے کردار کو باہم مربوط کر کے بیان کیا گیا ہے۔ نفاق کے مرض کو عہد حاضر کی صورتِ حال سے مربوط کر کے دعوتِ فکر و عمل دی گئی ہے اور درود و سلام پر بات کو اختتام تک پہنچایا گیا ہے۔ مصنف نے جس تسلسل، ترتیب اور ربط کے ساتھ کڑی سے کڑی جوڑ کر ایمانِ مسلم کو احسانِ مصطفیٰ ﷺ سے جوڑا ہے وہ لائق مطالعہ ہے۔ مروّجہ روایات و رسومات سے ہٹ کر جذبۂ ایمانی کو عمل کے قالب میں ڈھالنے کی سعی دکھائی دیتی ہے۔

جس شخص کو اللہ تعالیٰ خیر سے نوازنا چاہتا ہے اسے دین کا فہم عطا کر دیتا ہے (بخاری، مسلم)

گھر بیٹھے علم دین سیکھنے کا جامع پروگرام

اوپن یونیورسٹی سے آسان طریقہ — نہ کسی مدرسہ میں داخلہ، نہ مروجہ امتحانات

ہر عمر کے مرد و خواتین کیلئے — پورے ملک کے تمام علاقوں کیلئے

تعلیم الاسلام سرٹیفکیٹ — ڈپلومہ: فاضل علوم اسلامی

اسناد فضیلت: الاستاذ، رئیس الاساتذہ

مبلغ اسلام کورس — مدرس قرآن کورس

سکولوں، کالجوں اور دینی مدارس کیلئے خصوصی پیکج

تعلیمی بورڈ:

ڈاکٹر سہیل حسن، صاحبزادہ ڈاکٹر ساجد الرحمٰن، علامہ زاہد الراشدی، جناب خلیل الرحمٰن چشتی، جناب اکرام اللہ جان، پروفیسر ڈاکٹر حبیب الرحمٰن عاصم، مولانا عبدالمالک، حافظ عاکف سعید، ڈاکٹر ایس ایم زمان، ڈاکٹر سید زاہد حسین، مولانا حنیف جالندھری، ڈاکٹر نجم الدین، مولانا محمد صدیق ہزاروی

دعوت فاؤنڈیشن پاکستان

مکان نمبر:1، STI کالونی، پلاٹ نمبر:7، سیکٹر:H-9، اسلام آباد

فون: 0313-8484860, 0323-5131416, 051-4444266

ای۔میل: anfides@gmail.com

ان شاءاللہ

مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوُر

25روزہ قرآن فہمی کورس کل وقتی

پھر سوئے حرم لے چل

2014ء میں چار کورس

مئی، جون، جولائی، اگست

جس میں ترجیحاً انٹرمیڈیٹ تعلیم کے حامل طلباء، کاروباری و ملازمت پیشہ اور بے روزگار حضرات شریک ہوسکتے ہیں تاکہ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ دیگر دینی علوم سیکھ کر عملی زندگی میں باعمل مسلمان کی زندگی بسر کرسکیں۔

☆ قیام وطعام اکیڈمی کے ذمہ ہوگا ☆ تعلیمی ٹائم ٹیبل اور قواعد وضوابط کی پابندی ضروری ہوگی ☆ خوبصورت لیکچر ہال، مسجد، لائبریری اور دیگر ضروریات ایک ہی چھت کے نیچے ☆ پرسکون اور پاکیزہ ماحول

اپنی فرصت کے مطابق نام رجسٹر کرائیں

قرآن اکیڈمی لالہ زار کالونی نمبر2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر

047-7630861-7630863----0336-6778561